شمارہ ۵ — ۸۶ء

معارفِ رضا

مرتبین

سید محمد ریاست علی قادری

— اور —

پروفیسر مجید اللہ قادری

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ)

۴- بہادر یار جنگ روڈ کراچی نمبر ۵

معارف رضا

مجلس مشاورت

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ)

۴۔ بہادر یار جنگ روڈ، کراچی نمبر ۵

نام کتاب ـــــــ معارف رضا
مرتبین ـــــــ سید ریاست علی قادری
پروفیسر مجید اللہ قادری
کتابت ـــــــ محمد مرسلین
ناشر ـــــــ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ)
سن طباعت ـــــــ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء
اشاعت اول ـــــــ ایک ہزار
قیمت ـــــــ ۳۰ روپے
مطبوعہ ـــــــ احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ رضویہ ـــــــ فیروز شاہ اسٹریٹ گاڑی کھاتہ۔ آرام باغ کراچی
۲۔ مکتبہ قادریہ ـــــــ لوہاری گیٹ۔ لاہور
۳۔ رضا پبلیکیشنز ـــــــ مین بازار داتا صاحب۔ لاہور
۴۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ ۴۔ بہادر یار جنگ روڈ۔ کراچی ۵
۵۔ ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا ـــ کھارادر۔ کراچی

مشمولات

معارف رضا ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء

حمد باری تعالیٰ جل جلالہٗ ———— ۱
نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ———— ۲
(اداریہ) ———— ۵
امام احمد رضا کے ماہ وسال ———— ۱۱
مقالات (اُردو) ———— ۱۷
تاثرات ———— ۱۸۶
قصیدہ ———— ۱۹۹
سلام ———— ۲۰۶
مناجات ———— ۲۱۵
مقالات (انگریزی) ————
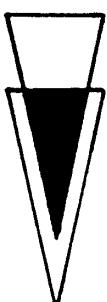
فہرست مقالات

۱۔ المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ ــــ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس اللہ سرہٗ ۱۷
۲۔ فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام ــــ حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی ۳۵
۳۔ امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ ــــ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۵۷
۴۔ دو قومی نظریہ اور مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی ــــ پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ۸۳
۵۔ امام احمد رضا ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ــــ ڈاکٹر جمیل جالبی (شیخ الجامعہ کراچی) ۸۷
۶۔ کچھ یادیں کچھ باتیں ــــ سید الطاف علی بریلوی (مرحوم) ۹۱
۷۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ (تقریظ) ــــ حضرت علامہ ہدایت اللہ مہاجر مدنی ترجمہ: شاہ خالد میاں فاخری الہ آبادی ۹۹
۸۔ اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی ــــ حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری ۱۰۹
۹۔ مجدد ملت امام احمد رضا بحیثیت سائنسداں، حکیم اور فلسفی ــــ سید ریاست علی قادری بریلوی ۱۲۱
۱۰۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علوم طبیعیات و کیمیا ــــ مولانا محمد اعظم سعیدی ۱۳۱
۱۱۔ امام احمد رضا ایک ماہر علم ریاضی کی حیثیت سے ــــ پروفیسر محمد ابرار حسین ۱۳۹
۱۲۔ امام اہلسنت اور علم التفسیر ــــ علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی ۱۴۳
۱۳۔ کلام رضا اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ــــ مولانا اختر الحامدی رضوی ۱۶۳
۱۴۔ علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (خلیفہ اعلیٰ حضرت) ۱۷۷
(ا) آپ کا مقام علمی ــــ پروفیسر الحاج محمد زبیر علیگ
(ب) آپ کی تصانیف ــــ علامہ نور محمد قادری

حمد

حضرت رضا قدس سرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْکَوْنِ وَ الْبَشَرِ — حَمْداً یَدُوْمُ دَوَاماً غَیْرَ مُنْحَصِرِ

وَاَفْضَلُ الصَّلَوٰتِ الزَّاکِیَاتِ عَلٰی — خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ مُنْجِی النَّاسِ مِنْ سَقَرِ

بِکَ الْعِیَاذُ اِلٰہِیْ اِنْ اَشَا اُحُکْمَاً — سِوَاکَ یَا رَبَّنَا یَا مُنْزِلَ النُّذُرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُتَوَحِّدِ — بِجَلَالِہٖ الْمُتَفَرِّدِ

وَصَلَاتُہٗ دَوَاماً عَلٰی — خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ہُمْ — مَاْوٰی عِنْدَ شَدَائِدِیْ

فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ — بِکِتَابِہٖ وَ بِاَحْمَدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

ذریعہ قادریہ

۱۳۰۵ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِ الْعَالَمِیْنَ وَاٰلِہٖ وَابْنِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

نعت اکرم حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

فرش والے تری رحمت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منھ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

بحرِ سائل کا ہوں سائل نہ کنوئیں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجا مرا چھینٹا تیرا

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اسکے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب / سچے سورج وہ دل آرا ہے اُجالا تیرا

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے / پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی / مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی / اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال / جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

خوار و بیمار، خطاوار، گنہ گار ہوں میں / رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

میری تقدیر بُری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے / محو و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں / کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کس کا منہ تکیے، کہاں جائیے، کس سے کہیے / تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا / تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

موت سنتا ہوں ستم تلخ ہے زہرابۂ ناب / کون لا دے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

دُور، کیا جانیے بدکار پہ کیسی گزری / تیرے ہی دَر پہ مرے بیکس و تنہا تیرا

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری / جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ / جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اسکو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے اَلمِنَّتہ لِلّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

(حضرت رضا قدس سرہٗ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اداریہ

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس کی توفیق سے ہم اس قابل ہوئے کہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق "مجلّہ معارف رضا" کا چھٹا شمارہ ۱۹۸۶ء یوم احمد رضا کے مبارک موقع پر قارئین کی نذر کر سکے۔

زیر نظر "معارف رضا" کئی اعتبار سے ہمارے سابقہ شماروں سے ہٹ کر ایک نئے اور منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کو آپ از خود محسوس کریں گے پچھلے شماروں میں ملک کے نامور محققین اور کہنہ مشق قلمکاروں کے مقالات ومضامین صرف اردو زبان میں پیش کئے گئے تھے لیکن اس مرتبہ "معارف رضا" کی غیر معمولی مقبولیت اور بیرونی ممالک میں امام احمد رضا کے معتقدین کے بے حد اصرار کے پیشِ نظر مجلّہ میں چار مضامین انگریزی زبان میں بھی پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ امریکہ کینیڈا، یورپ اور افریقی ملکوں کی وہ اکثریت بھی اس سے مستفید ہو سکے جو صرف انگریزی زبان ہی سے آشنا ہے۔ انگریزی زبان میں یہ مضامین نہ صرف امام احمد رضا کی علمی و دینی خدمات کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ قیام پاکستان کے سلسلے میں ان کی خدماتِ جلیلہ کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔

پروفیسر جمال الدین نیو دہلی (بھارت) کا مضمون BAREILVI AND KHIL-AFAT MOVEMENT قیام پاکستان اور تحریکِ آزادی ہند کے سلسلے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح بقیہ تینوں مضامین بھی امام احمد رضا کے دینی وعلمی کارناموں پر بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔

"SAYINGS OF IMAM AHMED RADA" یعنی ملفوظاتِ اعلیحضرت
کا ترجمہ۔ (آپ کے فرزندِ اصغر حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خان
علیہ الرحمتہ نے قلمبند کیا) جناب پروفیسر جے. ڈی قریشی صاحب (انگلینڈ)
کی کاوش کا نتیجہ ہے جس میں آپ امام احمد رضا کے ارشادات پر
مبنی ایسے سوالات کے تسلّی وتشفی بخش جوابات پائیں گے جو اکثر
ذہنوں میں اُبھرتے ہیں۔ امام احمد رضا کا یہ کمال ہے کہ ان جوابات سے
وہ لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں جو تذبذب کا شکار ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب جن کا قلم پچھلے بیس برسوں سے امام
احمد رضا پر کام کر رہا ہے، اپنے تحقیقی اور مدلّل اندازِ تحریر میں یکتائے روزگار ہیں
اُن کا مضمون "NEGLECTED GENIUS OF THE EAST"
بے پناہ خوبیوں کا حامل ہے۔ پروفیسر موصوف نے انتہائی دلنشیں اور
سادہ پیرائے میں امام احمد رضا کی سوانح کو انگریزی زبان میں پیش کر کے
وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے تاکہ انگریزی داں طبقہ بھی امام
احمد رضاؒ کی سیرت و کردار اور اُن کے کارناموں سے روشناس ہو سکے۔ مضمون

"ROLE OF IMAM AHMED RADA IN UP-HOLDING THE SANCTITY OF THE HOLY PROPHET (SALLALLAHU ALAIHI WA SALLAM)"

جناب وجاہت رسول قادری صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی
سے قلمبند کیا ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ فاضل مصنف نے امام احمد رضا کی
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبّت و عقیدت پر سیر حاصل بحث کی ہے
انشاء اللہ یہ مضمون جلد ہی ایک کتابی شکل میں قارئین کو پیش کیا

جائے گا۔ امام احمد رضا کے مشہور زمانہ سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کا انگریزی ترجمہ بھی پیشِ خدمت ہے جو جناب پروفیسر جی۔ ڈی قریشی (انگلینڈ) کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

اس مرتبہ اردو مضامین پیش کرتے وقت ہم نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ موضوعات میں تنوّع ہو اور امام احمد رضا کی ہمہ گیر و ہمہ صفت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی بھی ہو سکے۔ لہٰذا جہاں ایک طرف حضرت علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی کا مضمون "فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام" اُن کی علمی کاوشوں کا نہ صرف مظہر ہے بلکہ صاحبِ مضمون کی فقہ اور اُس کی جزئیات پر گہری نظر کی بھی عکاسی کرتا ہے تو دوسری طرف حضرت علامہ ابو صالح محمد اویس صاحب کا مضمون "امام احمد رضا اور فنِ تفسیر" اپنی افادیت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہے۔ "نظریۂ تموّج اور امام احمد رضا" پر ایک تحقیقی مضمون جناب محمد اعظم سعیدی صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ جس میں فاضل مصنف نے امام احمد رضا کی علومِ جدیدہ اور خاص طور پر فزکس (PHYSICS) پر مہارت کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔ "امام احمد رضا اور علمِ ریاضی" پر ایک مضمون پروفیسر ابرار حسین صاحب نے تحریر کیا ہے جس سے علمِ ریاضی پر امام احمد رضا کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی شخصیت علمی، ادبی، تحقیقی اور تعلیمی میدان میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا مضمون "دو قومی نظریہ اور امام احمد رضا" جو اس سے قبل اخبارات و رسائل میں متعدد بار شائع ہو چکا ہے، اس قابل ہے کہ بار بار چھپے تاکہ مورخینِ پاک اُن کی دیانت اور تحقیق کی روشنی میں

پاکستان کی صحیح تاریخ مرتب کرسکیں۔ "امام احمد رضا ایک عاشقِ رسول" کے عنوان سے ایک مضمون ملک کے کہنہ مشق قلمکار، علمی و ادبی حلقوں کی جانی پہچانی اور ہر دلعزیز شخصیت ڈاکٹر جمیل جالبی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کی امام احمد رضا سے عقیدت کا مظہر ہے۔ سیّد الطاف علی بریلوی مرحوم کا مضمون "کچھ یادیں کچھ باتیں" بہت ہی معلوماتی اور فکر انگیز ہے جس کو قارئین بیحد پسند فرمائیں گے۔ سیّد الطاف علی بریلوی مرحوم پچھلے ماہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئینِ کرام! پیشِ نظر" شمارے" کو اگر ہم معارفِ رضا کا خصوصی شمارہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس شمارے میں امام احمد رضا کی ایک تقریر "المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ" بھی شامل ہے۔ جو اُن کے مُریدِ خاص حضرت مولانا سیّد ایوب علی قادری بریلوی مرحوم نے قلمبند کر کے شائع کروائی تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ امام احمد رضا کے نعتیہ کلام "حدائقِ بخشش" سے منتخب شدہ نمونۂ کلام بھی پیش کیا جائے۔ لہٰذا اس شمارے میں آپ امام احمد رضا کا مشہور زمانہ سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ مزید برآں امام احمد رضا کا " قصیدۂ نوریہ"، قصیدۂ معراجیہ" علم و ادب کی دنیا میں شاہکار سمجھے جاتے ہیں، مجلہ معارفِ رضا کی زینت ہیں۔

قارئین کرام! ہم نے کوشش کی ہے کہ مجلہ معارف رضا کو اس طرح پیش کیا جائے کہ یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکے اور اُن پڑھنے والوں کی اکثریت کے لیئے جو امام احمد رضا اور اُن کے کارناموں کو

خلوصِ دل سے جاننا چاہتی ہے ایک سنگِ میل ثابت ہو۔ غرض یہ کہ معارفِ رضا میں امام احمد رضا کی سیرت و کردار اور اُن کے دینی و علمی کارناموں کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اُن کی زندگی کا حسین مُرقع اُبھر کر سامنے آ سکے۔

امام احمد رضا کی شخصیت نہ صرف اندرونِ مُلک بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اہلِ علم و دانش کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ امام احمد رضا کے فکر و عمل کے معترف آج وہ لوگ بھی ہیں جو کل تک اُنہیں کسی خاص گروہ یا مکتبِ فکر کا بانی سمجھتے تھے۔ لیکن اُن کے خیالات میں یہ تبدیلی اس بات کی مظہر ہے کہ اب تعصب اور تنگ نظری کی فضا چھٹ رہی ہے اور امام احمد رضا کا عالمگیری پیغام "حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" جس پر عمل پیرا ہو کر ہی امتِ مسلمہ اتحاد کی راہ پر گامزن ہو کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کر سکتی ہے، لوگوں کے دل میں اجاگر ہو رہا ہے اور جس کے عالمگیر اثرات دیکھنے میں آ رہے ہیں۔

قارئینِ کرام! ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری اس کاوش کو پسند فرمائیں گے۔ ہم نے حتی المقدور یہ کوشش کی ہے کہ مجلہ معارفِ رضا ہر اعتبار سے آپ کی توجہ کا مرکز بن سکے۔ اور آپ کے معیار پر پورا اُترے۔ ہمیں اس سلسلے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی یہ آپ حضرات کی پسند پر منحصر ہے۔ اگر آپ نے ہماری اس کوشش کو سراہا اور ہم آپ کو بہترین علمی و تحقیقی مواد فراہم کرنے میں اس کے اہل ثابت ہوئے تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ ادارہ آپ کے قیمتی مشوروں کا محتاج ہے۔ برائے کرم اپنی آراء اور ٹھوس تجاویز سے ہماری رہنمائی

فرمائیں تاکہ مستقبل میں بہتر سے بہتر تالیفات و تصنیفات منظرِ عام پر آئیں اور امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت اُبھر کر سامنے آئے۔

ادارہ اپنے تمام محسنین کا بصمیم قلب شکرگزار ہے جنہوں نے دامے، درمے، سخنے قدمے حصہ لے کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ اور دوسروں کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین و آلہ واصحابہ اجمعین۔

(ادارہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضاؒ کے ماہ و سال

۱۔	ولادت باسعادت	۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء
۲۔	ختم قرآن کریم	۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء
۳۔	پہلی تقریر	ربیع الاول ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء
۴۔	پہلی عربی تصنیف	۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۵۔	دستارِ فضیلت	شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء (بعمر تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن)
۶۔	آغاز فتویٰ نویسی	۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۷۔	آغاز درس و تدریس	۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۸۔	ازدواجی زندگی	۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۹۔	فرزند اکبر مولانا محمد حامد رضا خاں کی ولادت	ربیع الاول ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۰۔	فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت	۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء
۱۱۔	بیعت و خلافت	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۲۔	پہلی اردو تصنیف	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

پہلا حج اور زیارت حرمین شریفین	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
۱۴۔ شیخ احمد بن زینی بن دحلان مکیؒ سے اجازت حدیث	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
۱۵۔ مفتی مکہ شیخ عبد الرحمٰن سراج مکیؒ سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
۱۶۔ شیخ عابد السندی کے تلمیذ رشید امام کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکیؒ سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
۱۷۔ احمد رضا کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوارِ الٰہیہ	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
۱۸۔ مسجد خیف (مکہ معظمہ) میں بشارتِ مغفرت	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
۱۹۔ زمانۂ حال کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ	۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء
۲۰۔ تحریکِ ترکِ گاؤکشی کا سدِّ باب	۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء
۲۱۔ پہلی فارسی تصنیف	۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء
۲۲۔ اردو شاعری کا شاہکار قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف	قبل ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء
۲۳۔ فرزندِ اصغر مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خاں کی ولادت	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء
۲۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس (کانپور) میں شرکت	۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
۲۵۔ تحریک ندوہ سے علیحدگی	۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء
۲۶۔ مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق	۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء
۲۷۔ قصیدۂ عربیہ امال الابرار والآلام الاشرار	۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
۲۸۔ ندوۃ العلماء کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت	رجب ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
۲۹۔ علماء ہند کی طرف سے خطاب مجدد مائۃ حاضرہ	۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

٣٠- تاسیس دار العلوم منظرِ اسلام بریلی	١٣٢٢ھ/١٩٠٣ء
٣١- دوسرا حج اور زیارت حرمین شریفین	١٣٢٣ھ/١٩٠٥ء
٣٢- امام کعبہ شیخ عبداللہ میرداد اور ان کے استاد شیخ حامد احمد محمد جدّادی مکی کا مشترکہ استفتاء اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب	١٣٢٤ھ/١٩٠٦ء
٣٣- علماء مکۂ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام سنداتِ اجازت و خلافت	١٣٢٤ھ/١٩٠٦ء
٣٤- کراچی آمد اور مولانا محمد عبدالکریم درس سندھی سے ملاقات	١٣٢٤ھ/١٩٠٦ء
٣٥- احمد رضا کے عربی فتوے کو حافظ کتب الحرم سیّد اسمٰعیل خلیل مکیؒ کا زبردست خراجِ عقیدت	١٣٢٥ھ/١٩٠٧ء
٣٦- شیخ ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید السندی مہاجر مدنی کا اعترافِ مجدّدیت	١٤ ربیع الاوّل ١٣٣٠ھ/١٩١٢ء
٣٧- قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	١٣٣٠ھ/١٩١٢ء
٣٨- شیخ موسیٰ علی الشامی الازہری کی طرف سے خطاب "امام الائمۃ المجدد لہذہ الامۃ"	یکم ربیع الاوّل ١٣٣٠ھ/١٩١٢ء
٣٩- حافظ کتب الحرم سیّد اسمٰعیل خلیل مکی کی طرف سے خطاب "خاتم الفقہاء والمحدثین"	١٣٣٠ھ/١٩١٢ء
٤٠- علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے مطبوعہ سوال کا فاضلانہ جواب	قبل ١٣٣١ھ/١٩١٣ء
٤١- ملّتِ اسلامیہ کے لیے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اعلان	١٣٣١ھ/١٩١٣ء
٤٢- بہاول پور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد دین کا استفتاء اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب	٢٠ رمضان المبارک ١٣٣١ھ/١٩١٣ء
٤٣- مسجد کانپور کے قضیہ پر برطانوی حکومت سے معاہدہ کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ	١٣٣١ھ/١٩١٣ء

واقعہ	تاریخ
۴۴- ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ) کی آمد اور استفادۂ علمی	مابین سنہ ۱۳۳۲ھ / سنہ ۱۹۱۴ء اور سنہ ۱۳۳۵ھ / سنہ ۱۹۱۶ء
۴۵- انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری سے استثناء	سنہ ۱۳۳۴ھ / سنہ ۱۹۱۶ء
۴۶- صدر الصدور صوبہ جات دکن کے نام ارشاد نامہ	سنہ ۱۳۳۴ھ / سنہ ۱۹۱۶ء
۴۷- تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی	تقریباً سنہ ۱۳۳۶ھ / سنہ ۱۹۱۷ء
۴۸- سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق	سنہ ۱۳۳۷ھ / سنہ ۱۹۱۸ء
۴۹- امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کو شکستِ فاش	سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۱۹ء
۵۰- آئزک نیوٹن اور آئین اسٹائن کے نظریات کے خلاف فاضلانہ تحقیق	سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۲۰ء
۵۱- ردِّ حرکت زمین پر فاضلانہ تحقیق	سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۲۰ء
۵۲- فلاسفۂ قدیمہ کا ردِّ بلیغ	سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۲۰ء
۵۳- دو قومی نظریہ پر حرفِ آخر	سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء
۵۴- تحریکِ خلافت کا افشائے راز	سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء
۵۵- تحریکِ ترکِ موالات کا افشائے راز	سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء
۵۶- انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام کے خلاف تاریخی بیان	سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء
۵۷- وصال	۲۵ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء
۵۸- مدیر پیسہ اخبار لاہور کا تعزیتی نوٹ	یکم ربیع الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ / ۲ نومبر ۱۹۲۱ء

۵۹۔ سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقیلی تتوی کا تعزیتی مقالہ — ۱۳۴۱ھ / ستمبر ۱۹۲۲ء

۶۰۔ بمبئی ہائی کورٹ کے جسٹس ڈی۔ ایف ملّا کا خراجِ عقیدت — ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

۶۱۔ شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا خراجِ عقیدت — ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل علیہ الرحمۃ (حافظ کتب الحرام، مکہ معظمہ)

امام احمد رضا کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں

"اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، مناقب و مفاخر والا۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لیئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں احسان والا، پروردگار اسے سلامت رکھے تاکہ وہ (مخالفین) کی بے ثبات حجتوں کا آیاتِ قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماءِ مکہ اس کے لیئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق و صحیح ہے۔"

تصنیف لطیف

مجدد دین وملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت

محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ

ملنے کا پتہ

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

از افاضات :- اعلیحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ

مرتبہ :- حضرت الحاج سید ایوب علی رضوی بریلویؒ

المیلاد النبویّہ فی الالفاظ الرّضویّہ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ الذی فضل سیدنا ومولٰنا محمّدًا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی العٰلمین جمیعًا واقامہ یوم القیامۃ للمذنبین المتلوثین الخاطئین الھالکین شفیعًا. فصلی اللہ تعالٰی وسلم وبارک علیہ وعلٰی کلّ من ھو محبوب ومرضی لدیہ صلاۃً تتلٰی وتدوم بدوام الملک الحی القیوم واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولٰنا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ بالھدٰی ودین الحق ارسلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلّم. قال اللہ تعالٰی فی القراٰن الحکیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط الحمد للہ رب العالمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد وایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ۝ اٰمین

رب العزت جل جلالہ اپنی کتاب کریم و ذکر حکیم میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت کو ہمہ گستر فرماتا اور ان کو اپنے دربار تک وصول کا طریقہ بتاتا ہے، یہ سورۃ مبارکہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی اور خود ان کی طرف سے ارشاد ہوئی۔ ابتدا اس کی اور تمام سورہ قرآن عظیم کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے فرمائی گئی۔ اول حقیقی اللہ عزوجل ہے۔

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا اسم جلالت اللہ سے ہونی چاہیئے کہ اللہ الرحمٰن الرحیم مگر ابتدا یوں فرمائی گئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وہ جو اول حقیقی اللہ کا علم ذات ہے، کہ ذات واجب الوجود مستجمع جمیع صفات کمالیہ پر دال ہے۔ اس سے پہلے اسم کا لفظ لائے اور اس پر ب کا حرف داخل فرمایا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنی الوہیت واحدانیت و صمدیت میں بے غایت ظہور سے بے غایت بطون میں ہے۔ بندوں کو اس تک وصول محال کسی کی عقل کسی کا وہم کسی کا خیال اس تک نہیں پہنچتا جس کا نام اللہ ہے۔ وہ پاک و منزہ ہے۔ اس سے کہ اس تک فکر و وہم کا وصول ہو سکے ایسی مخفی و باطن ذات سے اس تک وصول کے علامت درکار اور اسم کہتے ہیں۔ علامت کو جو دلالت کرے ذات پر تو اسم اللہ ذریعہ ہوا وصال کا اور اسم جبکہ نام ٹھہرا اس شئے کا جو دلالت کرنے والی ہے ذات پر ذات پاک ہے۔ اس سے کہ اسے کسی شئے کی حاجت ہو ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے لئے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔ ایک ذات ہو دوسرا اس کا غیر ہو۔ تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو جو دلالت کرے اس غیر کو اس ذات کی طرف وہ ذات، ذات الٰہی ہے اور وہ غیر یہ تمام عالم مخلوقات اور اسم اللہ کو اللہ پر دلالت کرنے والا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو گویا

ابتدا ہی نام اقدس سے فرمائی گئی۔ اپنے نام پاک سے پہلے نام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا لایا جاتا ہے کہ ذریعہ وصول ہوئے ماسم اللہ تمام مخلوقات کے لئے جو ازل سے ابد تک وجود میں لائی گئی۔ ذات اقدس کی طرف دال ہے۔ اس واسطے کہ تمام جہان کو اللہ کی طرف ہدایت حضور ہی نے فرمائی۔ حضور ہی ہادی ہیں مخلوق الٰہی کے یہاں تک کہ انبیائے کرام ومرسلین عظام کے بھی ہادی ہیں تو حضور کے سوا جتنے ہادی ہیں دلالت مطلقہ سے موصوف نہیں ہوسکتے کہ انہوں نے تمام مخلوق کو دلالت لی ہو ان کو کسی نے دلالت نہ کی ہو ایسا نہیں۔ اگر وہ امتوں کے دال ہیں تو حضور کے مدلول ہیں۔ دلالت مطلقہ خاص حضور اقدس ہی کے لئے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام غیر اللہ کو اللہ کی طرف جس نے دلالت کی وہ محمد رسول اللہ ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تمام مخلوقات الٰہی میں کچھ تو وہ ہیں۔ جو اللہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے کچھ وہ ہیں جو علاقہ رکھتے ہیں وسائط کے ساتھ۔ مگر دوسرا ان سے علاقہ نہیں رکھتا۔ مہدی ہیں۔ ہادی نہیں یعنی ہادی بالذات نہیں۔ اگرچہ بالواسطہ ہادی ہوں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علی الاطلاق ہادی ومہدی ہیں۔

کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ حرف نہ تو مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔ فعل مسند ہوتا ہے، مسند الیہ نہیں ہوتا۔ اسم مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ تو وہ جو بے علاقہ ہیں، ذات الٰہی سے وہ حرف ہیں۔

ومنہم من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر ن اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ ن القلب علی وجہہ خسر الدنیا والاخرۃ ذالک ھو الخسران المبین۔

کچھ لوگ وہ ہیں، جو اللہ کو پوجتے ہیں کنارے پر تو اگر بھلائی پہنچ گئی تو مطمئن رہے اور اگر کوئی آزمائش ہوئی تو کنارے پر کھڑے ہی ہیں۔ فوراً ایک قدم میں بدل گئے۔ پلٹ گئے۔ ان کو دنیا وآخرت دونوں میں خسارہ ہوا۔ اور یہی کھلا خسارہ ہے۔

تو یہ نہ مسند ہیں نہ مسند الیہ کہ حرف ہیں اور وہ جو خود ذات الیہ سے علاقہ

رکھتے ہیں. مگر بالذات ان سے دوسرا علاقہ نہیں رکھتا وہ تمام مومنین و ہادین کہ مسند ہیں مگر بالذات مسند الیہ نہیں۔ وہ نعل ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کریم بیشک مسند و مسند الیہ بالذات دبے وساطت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسم ہیں کہ ان کو اپنے رب سے نسبت ہے اور سب کو ان سے نسبت ہے اور یہی شان ہے اسم کی. صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحٰبہ وبارک وسلم. اسم کے خواص میں یہ بھی ہے کہ اس پر حرف تعریف داخل ہوتا ہے اور تعریف کی حد ہے حمد اور حمد کی تکثیر ہے. تحمید اور اسی سے مشتق ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم یعنی بار بار اور بکثرت بے شمار تعریف کیے گئے حمد کیے گئے. تو مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق نہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ وہی اصل جملہ کمالات ہیں جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور ہی کمال کا صدقہ اور ظل و پر تو ہے. امام سیدی محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں۔

کیف ترقی رقیك الانبیاء	یا سماءً ماطا ولتها سماء
لم یساووك فی علاك وقد حا	ل سنا منك دونهم وسناء
انما مثلوا صفاتك للنا	س کما مثل النجوم الماء

انبیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی کیسے پاسکیں. اے وہ آسمان جس سے کوئی آسمان بلندی میں مقابلہ نہیں کرسکتا. وہ حضور کے مراتب بلند کے قریب بھی نہ پہنچے حضور کی رفعت و روشنی حضور تک پہنچنے سے انہیں حائل ہو گئی. وہ تو حضور کی صفات کریمہ کا پرتو لوگوں کو دکھا رہے ہیں. جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔
حضور کی صفات کو نجوم سے تشبیہ دی، کہ وہ لا تعد و لا تحصٰی ہیں انبیائے کرام غایت انجلا میں مثل پانی کے ہیں. اپنی صفا کے سبب ان نجوم کا عکس لے کر ظاہر کرتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔
حمد ہوا کرتی ہے. مقابل کسی صفت کمال کے اور تمام صفات کمال مخلوقات میں خاص ہیں حضور کے لئے، باقی کو جو ملا ہے حضور کا عطیہ و صدقہ ہے. حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنّما انا قاسم واللہ المعطی۔

اللہ عطا فرمانے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس چیز کا عطا فرمانے والا اللہ ہے اور کس چیز کے حضور قاسم ہیں۔ ایسی جگہ اطلاق دلیل تعمیم ہے۔ کونسی چیز ہے جس کا دینے والا اللہ نہیں تو جو چیز جس کو اللہ نے دی تقسیم فرمانے والے اس کے حضور ہی ہیں۔ جو اطلاق و تعمیم وہاں ہے یہاں بھی ہے جو جس کو ملا اور جو کچھ بٹا اور بٹے گا۔ ابتدائے خلق ابد الآباد تک ظاہر و باطن میں، روح جسم میں، ارض و سما میں، عرش فرش میں، دنیا و آخرت میں جو کچھ ہے اس سب کے بانٹنے والے حضور ہی ہیں۔ اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا، الیٰ ابد الآباد۔ لہٰذا مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق یہ ہی ہیں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم۔

اسم کا خاصہ ہے جر، اور جر کے معنی ہیں کشش یعنی جذب فرمانا۔ یہ خاصہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔ کھینچنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کھینچنا بلا مزاحمت کہ جس کو کھینچا جائے وہ کھنچ آئے۔ دوسرا کھینچنا مزاحمت کے ساتھ کہ کھینچنے والا تو کھینچ رہا ہے اور یہ کھینچنا نہیں چاہتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انتم تتقحمون فی النار کالفراش وانا آخذ بحجزکم هلمّ الیّ

تم پروانوں کی مانند آگ پر گرتے پڑتے ہو اور میں تمہارا کمر بند پکڑے کھینچ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ۔

یہ شان ہے جر یعنی کشش کی۔ اسم نحوی کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے اور اور اسم اللہ کا من حیث الصدور۔ ہاں جر ان احوال و کیفیات سے ناشی ہوتا ہے جن پر حروف جارہ دلالت کرتے ہیں۔ وہ یہاں بروجہ اتم ہیں۔ مثلاً (باء) کے معنی ہیں الصاق یعنی ملانا۔ یہ خاص کام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم کہ خلق کو خالق سے ملاتے ہیں یا مِنْ کہ ابتدائے غایت کے لیے ہے یہ بھی

خاص ہے حضور ہی کے لیئے۔

یاجابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔

اے جابر تمام جہان سے پہلے اللہ تعالےٰ نے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

ہر فضل و کمال حتیٰ کہ وجود میں بھی ابتدا انھیں سے ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

الیٰ آتا ہے انتہائے غایت کے لیئے۔ انتہائے کمال انہیں پر بلکہ ہر فرد کمال بلکہ ہر فرد کمال انھیں پر منتہی ہوتا ہے۔ اول الانبیاء بھی وہی ہیں اور خاتم النبیین بھی وہی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

تلمسانی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے راوی کہ

ایک بار جبریل امین حاضر بارگاہ اقدس ہوئے۔ اور عرض کی السلام علیک یا اولُ، السلام علیک یا آخرُ، السلام علیک یا ظاہرُ، السلام علیک یا باطنُ۔ رب العزت نے قرآن عظیم اپنی صفت کریمہ فرمائی۔ ھو الاولُ والآخرُ والظاھرُ والباطنُ وھو بکل شیٔ علیم ۵ اس آیت کے لحاظ سے حضور نے جبریل سے فرمایا کہ یہ صفات میرے رب عزوجل کی ہیں۔ عرض کی یہ صفات اللہ عزوجل کی ہیں۔ اس نے حضور کو بھی ان سے متصف فرمایا۔

اللہ نے حضور کو اول کیا۔ تمام مخلوق سے پہلے حضور کے نور کو پیدا کیا اور اللہ نے حضور کو آخر کیا تمام انبیاء کے بعد مبعوث فرمایا۔ اور حضور کو ظاہر اپنے معجزات مبینہ سے کہ عالم میں کسی کو شک وشبہ کی مجال نہیں اور حضور کو باطن کیا ایسے غایت ظہور سے کہ آفتاب اس کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتا۔ آفتاب اور جملہ انوار انہیں کے تو پر تو ہیں۔ آفتاب میں شک ہو سکتا ہے اور ان میں شک ممکن نہیں۔ فرض کیجئے اگر ہم نصف النہار پر ایک روشن شرارہ آفتاب کے برابر دیکھیں جسے اپنے گمان سے یقیناً آفتاب سمجھیں اور اس کی دھوپ بھی دوپہر ہی کی طرح پھیلی ہو۔ اور حضور فرمائیں یہ آفتاب نہیں، کوئی کرۂ نار کا شرارہ

ہے۔ یقیناً ہر مسلمان صدق سے فوراً ایمان لائے گا۔ کہ حضور کا ارشاد قطعاً حق و صحیح ہے۔ اور آفتاب سمجھنا میرے نگاہ و گمان کی غلطی صریح ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہی ہے ۔ کہ آفتاب ہنوز معرض خفا میں ہے اور حضور پر اصلا خفا نہیں۔ آفتاب سے کروڑوں درجہ روشن ہیں، صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

اور ان کا یہ غایت ظہور ہی غایت بطون کا سبب ہے اور حضور کے بطون کی یہ شان ہے کہ خدا کے سوا حضور کی حقیقت سے کوئی واقف ہی نہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو اعرف النّاس یعنی سب سے زیادہ حضور کے پہچاننے والے اس امت مرحومہ میں ہیں۔ اسی واسطے ان کا مرتبہ افضل و اعلیٰ ہے۔ معرفت الٰہی وہ معرفت محمد ہے صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جس کو ان کی معرفت زائد ہے اس کو معرفت الٰہی بھی زائد ہے حضرت صدیق اکبر جیسے اعرف الناس جو تمام جہان سے زیادہ حضور کی معرفت رکھتے ہیں ان سے ارشاد فرمایا۔

یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی

اے ابو بکر جیسا میں ہوں سوا میرے رب کے۔ اور کسی نے نہ پہچانا۔

باطن میں ایسے کہ خدا کے سوا کسی نے ان کو پہچانا ہی نہیں۔ اور ظاہر میں بھی ایسے کہ ہر شے ہر ذرہ شجر و حجر وحوش و طیور حضور کو پہچانتے ہیں۔ یہ کمال ظہور ہے۔ صدیق اپنے مرتبہ کے لائق حضور کو جانتے ہیں۔ جبریل امین اپنے مرتبہ کے لائق پہچانتے ہیں۔ انبیا و مرسلین اپنے اپنے مراتب کے لائق باقی رہا حقیقتہً ان کو پہچاننا تو ان کا جاننے والا ان کا رب ہے تبارک و تعالےٰ ان کا بنانے والا۔ ان کا نوازنے والا۔ ان کی حقیقت کے پہچاننے میں دوسرے کے واسطے حصہ ہی نہیں رکھا۔

بلا تشبیہ محب نہیں چاہتا کہ جو ادا محبوب کی اس کے ساتھ ہے وہ دوسرے کے ساتھ ہو۔ اللہ تمام جہان سے زیادہ غیرت والا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں۔

انّہ لغیور وانا اغیر منہ واللہ اغیر منّی۔

جو غیرت والا ہے میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

وہ کیوں کر روا رکھے گا کہ دوسرا میرے حبیب کی اس خاص ادا پر مطلع ہو جو میرے ساتھ ہے۔ اسی واسطے فرمایا جاتا ہے جیسا میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا ہم تو نوم نیام تسلوا عنہ بالحُلُمِ ہی ہیں۔ سوتے ہیں خواب ہی میں زیارت پر راضی ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حقیقت اقدس کے لحاظ سے اسی کے مصداق ہیں۔ دنیا خواب ہے، اور اس کی بیداری نیند امیر المومنین مولےٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔

الناس نیام اذا ماتوا استنبھوا

لوگ سوتے ہیں جب مریں گے جاگیں۔

خواب اور دنیا کی بیداری میں اتنا فرق ہے کہ خواب کے بعد آنکھ کھلی اور کچھ نہ تھا اور یہاں آنکھ بند ہوئی اور کچھ نہ تھا۔ نتیجہ دونوں جگہ ایک ہے وما الحیٰوۃ الدُّنیا اِلَّا مَتَاعُ الغُرُور خواب میں جمال اقدس کی زیارت ضرور حق ہوتی ہے خود فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من رانی فقد رای الحق فان الشیطان لا یتمثل۔

جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔

پھر لوگ مختلف اشکال واحوال میں دیکھتے ہیں کہ وہ اختلاف ان کے اپنے ایمان واحوال ہی کا ہے۔ ہر ایک اپنے ایمان کے لائق ان کو دیکھتا ہے۔ یونہی بیداری میں جتنے دیکھنے والے تھے۔ سب اس آئینہ حق نما میں اپنے ایمان کی صورت دیکھتے ورنہ ان کی صورت حقیقیہ پر غیرت الٰہیہ کے ستر ہزار پردے ڈالے گئے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک پردہ اٹھا دیا جائے، آفتاب جل کر خاک ہو جائے جیسے آفتاب کے آگے ستارے غائب ہو جاتے ہیں اور جو ستارہ اس سے قران میں ہو احتراق میں کہلاتا ہے تو صحابہ کرام نے بھی خواب ہی میں زیارت کی۔ نہ رب العزت کو بیداری میں دنیا میں

دیکھ سکتا ہے۔ نہ جمال انور حضور اقدس کو۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کو رب العزت جل وعلا کو بیداری میں چشم سر سے دیکھا۔ وہ دیکھنا دنیا سے ورا تھا کہ دنیا ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے اور یہ روایت لامکاں میں ہوئی۔ بالجملہ اس وقت بھی ہر شخص نے اپنے ایمان ہی کی صورت دیکھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئینہ خدا نما ہیں۔ ابوجہل لعین حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ "زشت لقشنے کز بنی ہاشم شگفت" حضور فرماتے ہیں صَدَقْتَ تو سچ کہتا ہے۔ ابوبکر صدیق اکبرؓ عرض کرتے ہیں حضور سے زیادہ کوئی خوبصورت پیدا نہ ہوا۔ حضور بے مثل ہیں۔ حضور آفتاب ہیں۔ نہ شرقی نہ غربی۔ ارشاد فرمایا "صَدَقْتَ" تم سچ کہتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے دو متضاد قولوں کی تصدیق فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

گفت من آئینہ ام مصقول دوست ترک ہند و در من آں بیند کہ اوست

میں تو اپنے چاہنے والے رب تبارک و تعالیٰ کا اجالا ہوا آئینہ ہوں۔ ابوجہل کہ ظلمت کفر میں آلودہ ہے۔ اس کو اپنے کفر کی تاریکی نظر آئی۔ اور ابوبکر سب سے بہتر ہیں انہوں نے اپنا نور ایمان دیکھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ لہٰذا ذات کریم جامع کمال ظہور وکمال بطون ہے۔

ظہور کسی شئے کا جب ایک ترقی محدود تک ہوتا ہے وہ شئے نظر آتی ہے اور جب حد سے زیادہ ہو جاتا ہے، تو وہ چیز نظر نہیں آتی۔ آفتاب جب افق سے نکلتا ہے سرخی مائل کچھ بخارات وغبارات میں ہوتا ہے۔ ہر شخص کی نگاہ اس پر جمتی ہے۔ جب ٹھیک نصف النہار پر پہنچتا ہے۔ غایت ظہور سے باطن ہو جاتا ہے۔ اب نگاہیں اس پر نہیں ٹھہر سکتیں۔ خیرہ ہو کر واپس آتی ہیں۔ غایت ظہور پر پہنچا جس کی وجہ سے غایت بطون میں ہو گیا۔ آفتاب کہ نام ہے ان کی گلی کے ایک ذرہ کو۔ وہ آفتاب حقیقت کہ رب العزت نے اپنی ذات کے لئے اس کو آئینہ کاملہ بنایا ہے۔ اور اس میں مع ذات و صفات کے تجلی فرمائی ہے۔ حقیقت اس ذات کی کون پہچان سکتا ہے۔ وہ غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ اسی سبب

سے نام اقدس میں دونوں رعائتیں رکھی ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت اور بار بار غیر متناہی تعریف کیے گئے۔ اطلاق نے تمام تعریفوں کو جمع فرما لیا ہے یہ تو شان ہے غایت ظہور کی اور نام اقدس پر الف لام تعریف کا داخل نہیں ہوتا۔ یعنی ایسے ظاہر ہیں کہ مستغنی عن التعریف ہیں۔ تعریف کی ضرورت نہیں یا ایسے بطون میں ہیں کہ تعریف ہو نہیں سکتی۔ تعریف عہد یا استغراق یا جنس کے لئے ہے وہ اپنے رب کی وحدت حقیقیہ کے مظہر کامل اپنے جملہ فضائل و کمالات میں شریک سے منزہ ہیں۔

امام محمد بوصیری بردہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

منزہ عن شریک فی محاسنہ — فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں۔ ان کے حسن کا جوہر فرد قابل انقسام نہیں کہ یہاں جنسیت و استغراق نا متصور اور عہد فرع معرفت ہے۔ اور ان کو ذاتاً "حقیقتہً" کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو نام اقدس پر کہ علم ذات ہے لام تعریف کیونکر داخل ہو۔

جس طرح من و الی جر کرتے ہیں۔ اسی طرح کاف تشبیہ بھی جر کے لئے آتا ہے۔ ذات الٰہی کمال تنزیہ کے مرتبے میں ہے اور متشابہات میں تشبیہات بھی وارد صحیح مذہب محققین کا یہ ہے کہ تنزیہ ہے اس کی ذات و صفات کے لئے اور تشبیہ ہے۔ تجلیات کے لئے، دونوں کو اس کریمہ میں جمع فرما دیا لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر۔ لیس کمثلہ شیئ "کوئی شے اس کے مثل نہیں۔ یہ تنزیہ ہوئی۔ اور "وھو السمیع البصیر" وہی ہے۔ سننے دیکھنے والا یہ تشبیہ۔ جب تک اللہ نے عالم نہ بنایا تھا تو نہ عالم خیال میں نہ عالم مثال۔ بلکہ عالم تمثیل میں تجلی سے کے لئے ایک تشبیہ پیدا ہوئی جو عبارت ہے ذات اقدس سے۔ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ اور اللہ تعالیٰ متعالی ہے۔ شبیہ سے۔ ہاں پہلی تجلی جو فرمائی ہے اسی کا نام ہے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔ اور اس تجلی کی اور تجلیات کی گئی ہیں، ان کا نام ہے انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام جس طرح امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے کلام سے اوپر بیان ہوا۔

آگے فرمایا جاتا ہے۔ الرحمٰن الرحیم۔ مدح کا قاعدہ ہے کہ وہ اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔ الرحمٰن الرحیم سے پہلے لایا گیا الرحمٰن کہ رحمت کا مبالغہ رب تبارک و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پھر فرمایا گیا الرحیم یعنی مطلق رحمت بھی اس کے ساتھ خاص ہے۔ رب العزت کی بے انتہا صفات ہیں یہ کیا ہے جن سے تمام صفات الٰہیہ کو رحمت کے پردے میں دکھایا۔ القہار المنتقم نہیں فرمایا جاتا۔ الرحمٰن الرحیم خالص رحمت دکھائی جاتی ہے یہ وہی آئینہ ذات الٰہی ہے۔ جس میں صفات قہریہ بھی آکر خالص رحمت سے متلبس ہو جاتی ہیں وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم اولین کے لئے رحمت آخرین کے لئے رحمت، ملائکہ کے لئے رحمت، تمام مومنین کے لئے رحمت یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین مشرکین منافقین مرتدین کے بھی رحمت ہیں۔ یہ لوگ بھی آج ان کی رحمت سے دنیا میں عذاب سے محفوظ ہیں۔

مَاکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اللہ اس لئے نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے رحمت عالم تم ان میں ہو۔

اسی لئے ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ورفعنٰہ مکانا علیاً اختیار نہ فرمایا گیا۔ حالانکہ ان کے غلام وناہل محبت کی نعش تک آسمان پر اٹھالی گئی ہے۔ سیدی عمر بن الفارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگل میں ایک جنازہ دیکھا۔ اکابر اولیاء جمع ہیں۔ مگر نماز نہیں ہوتی۔ انہوں نے تاخیر کا سبب پوچھا کہا امام کا انتظار ہے ایک صاحب کو نہایت جلدی کرتے ہوئے پہاڑ سے اترتے دیکھا جب قریب آئے معلوم ہوا کہ یہ وہ صاحب ہیں جن سے شہر میں لڑکے ہنستے اور چپتیں لگاتے ہیں۔ وہ امام ہوئے۔ سب نے ان کی اقتدا کی۔ نماز ہی میں بکثرت سبز پرندوں کا نعش کے گرد مجمع ہو گیا جب نماز ختم ہوئی نعش کو اپنی منقاروں میں لے کر آسمان پر اڑتے ہوئے چلے گئے۔ انہوں نے پوچھا جواب ملا یہ اہل محبت ہیں۔ ان کی میت بھی زمین پر نہیں رہنے پاتی۔ مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہیں تشریف رکھنا پسند فرمایا، کہ

خلق کے لیئے عذاب عالم سے امان ہو۔

جنت تو حضور کی رحمت کا پرتو ہے ہی دوزخ بھی حضور کی رحمت سے بنی ہے۔ کہ یہاں صفات قہریہ بھی رحمت ہی کی تجلی میں ہیں جنت کا رحمت ہونا ظاہر حضور کے نام لیوؤں کی جاگیر ہے۔ دوزخ کا بنانا بھی رحمت ہے۔ دو وجہ سے۔ دنیا میں بادشاہ کی اطاعت تین ذرائع سے ہوتی ہے۔ اول[۱] بادشاہ کی اطاعت خاص اس لئے کہ وہ بادشاہ ہے۔ دوسرے[۲] کچھ انعام کا لالچ دیا جاتا ہے کہ ہمارے احکام مانو گے تو یہ انعام ملیں گے یہ رحمت ہے۔ تیسرے[۳] عاصی سرکش جو انعام کی پرواہ نہیں کرتے ان کو سزائیں سنا کر ڈرایا جاتا ہے کہ اطاعت نہ کرو گے تو زنداں میں بھیجے جاؤ گے۔ وہ انعام تو عین رحمت ہے اور یہ کوڑا عذاب کا یہ بھی رحمت ہے اس لئے کہ رحمت ہی سے ناشی ہے کہ جیل خانہ سے ڈر کر سزا کے مستحق نہ ہوں، اطاعت کریں انعام کے مستحق ہوں تو دوزخ بھی رحمت ہے کہ دنیا کو ڈر کے باعث گناہوں سے بچانے والی ہے۔ دوسری[۲] وجہ یہ کہ کفار نے اللہ کے محبوبوں کو ایذا دی۔ ان کی توہین کی۔ رب العزت نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے دوزخ کو پیدا فرمایا۔ قدر ضد کی ضد سے معلوم ہوا کرتی ہے۔ گرمی کی قدر سردی سے۔ سردی کی گرمی سے۔ چراغ کی اندھیرے سے معلوم ہوتی ہے کہ الاشیاء تعرف باضدادھا تو اہل جنت کو یہ دکھانا ہے کہ دیکھو اگر تم بھی محبوبان خدا کا دامن نہ تھامتے۔ ان کی طرح تمہاری جگہ بھی یہی ہوتی۔ اس وقت محبوبان خدا کے دامن تھامنے کی قدر کھلے گی۔ وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

اللھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وآلہ الکرام اجمعین

حضور تمام جہان کے لئے رحمت ہیں۔ رحمت الٰہی کے معنی ہیں بندوں کو ایصال خیر فرمانے کا ارادہ تو رحمت کے لئے دو چیزیں درکار ہیں، ایک مخلوق جس کو خیر پہنچائی جائے۔ دوسری خیر اور دونوں متفرع ہیں۔ وجود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر اگر حضور نہ ہوتے نہ کوئی خیر کا پانے والا تو رحمت الٰہی کا ظہور نہ ہوتا۔ مگر صورت وجود

نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم ہیں تمام نعمتیں، تمام کمالات تمام فضائل متفرع ہیں وجود پر اور تمام عالم وجود متفرع ہیں. حضور کے وجود پر تو سب پر حضور ہی کے طفیل رحمت ہوئی. ملک ہو خواہ نبی یا رسول جس کو جو نعمت ملی حضور ہی کے دست عطا سے ملی۔

حضور نعمۃ اللہ ہیں. قرآن عظیم نے ان کا نام نعمۃ اللہ رکھا ان الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم. نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ ولہذا ان کی تشریف کا تذکرہ امتثال امر الٰہی ہے. قال تعالٰی واما بنعمۃ ربک فحدث. اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو. حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلٰی نعمت ہے. یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل. دنیا، قبر، حشر، برزخ، آخرت غرض ہر وقت ہر جگہ ہر آن نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے، اور ہوگا انشاء اللہ تعالٰے اپنے رب کے حکم سے اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے. مجلس میلاد آخر وہی شئے ہے جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری و فضائل جلیلہ و کمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے. بند یا رقعہ یا منادیا طعام و شیرنی کی تقسیم اس کا جز حقیقت نہیں نہ ان میں کچھ حرج اول دعوت الی الخیر ہے اور دعوت الی الخیر بلاشبہ خیر ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

من احسن قولا ممن دعا الی اللہ

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے. نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں من دعا الی ھدی کان لہ الاجر مثل اجور من تبعہ ولا ینقص ذالک من اجورھم شیئا. جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے جتنے اس کا بلاوا قبول کریں ان سب کے برابر ثواب اسے ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور اطعام طعام یا تقسیم شیرینی بر و صلہ و احسان صدقہ ہے اور یہ سب شرعاً محمود ان مجالس کے لیئے ایک تملیکی نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں۔ جہاں مجالس ذکر شریف ہوتے دیکھی۔ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں۔ تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو ادھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ نا مستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ ھم القوم لا یشقی بہم جلیسھم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا۔ یہ مجلس آج سے نہیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کی اور کرتے رہے اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی۔ کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر حضور نہ کرتے ہوں۔ اول روز سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب و محبوب کا ذکر کیا کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم جس کے لئے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روح الٰہی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے نگاہ ساق عرش پر ٹھہرتی ہے لکھا دیکھتے ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم عرض کی الٰہی یہ کون ہے جس کا نام پاک تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ لکھا ہے۔ ارشاد ہوا اے آدم وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے۔ وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔

لولا محمد ما خلقتک ولا ارضا ولا سماء

اسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا۔ اگر وہ نہ ہوتا نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان بناتا۔ تو کنیت اپنی ابو محمد کر۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ آنکھ کھلتے ہی نام پاک بتایا گیا۔ پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکر اقدس سنایا گیا۔ وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے۔ جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا۔ عماد تقویٰ و عروۂ وثقیٰ کو نہ چھوڑنا۔ العروۃ الوثقیٰ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عروہ وثقیٰ محمد ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا۔

فانی رایت الملٰئکۃ تذکر ذنی ھـ سـاعـۃ تیما
کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔ اسی طور پر چرچا ان کا ہوتا رہا۔

پہلی انجمن روز میثاق جمائی گئی۔ اس میں حضور کا ذکر تشریف آوری ہوا۔
واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال ااقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشٰھدین فمن تولیٰ بعد ذالک فاولٰئک ھم الفٰسقون ط

جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بیشک میں تمہیں کتاب و حکمت عطا فرماؤں۔ پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں تم ضرور ان پر ایمان لانا۔ اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا قبل اس کے کہ انبیاء کچھ عرض کرنے پائیں فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جاتے وہی لوگ بے حکم ہیں۔

مجلس میثاق میں رب العزت نے تشریف آوری حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سنا اور انقیاد و اطاعت حضور کا قول دیا۔ ان کی نبوت ہی مشروط تھی حضور کے مطیع و امتی بننے پر تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا ہے اللہ کہ فرمایا ثم جاء کم رسول پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں اور ذکر پاک کی سب میں پہلی مجلس انبیاء ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والے انبیاء اللہ غرض اسی طرح ہر زمانے میں حضور کا ذکر ولادت و تشریف آوری ہوتا رہا۔ ہر قرن میں انبیاء و مرسلین آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و زکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء مرسلین اپنے اپنے زمانے میں مجلس حضور ترتیب دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا ذکر تشریف

سنانے والا کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لئے یعنی سیدنا عیسٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا فرماتا ہوا ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہٗ احمد۔ میں بشارت دیتا ہوں ان رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم یہ ہے مجلس میلاد۔

جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا تمام ملک وملکوت میں میلاد تھی۔ عرش پر محفل میلاد تھی۔ فرش پر محفل میلاد، ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی تھی۔ خوشیاں مناتے حاضر آتے ہیں۔ سر جھکائے کھڑے ہیں۔ جبرئیل ومیکائیل حاضر ہیں۔ علیہم الصلوٰہ والسلام۔ اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے۔ جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے سبع سمٰوٰت میں عرش وفرش پر دھوم ہے۔ ذرا انصاف کرو۔ تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو۔ اب وقت آیا ہے۔ کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا۔ وہ عظیم مقتدر جو چھ ہزار برس بیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادت محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں۔ یہ قادر علی کل شئی کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں، ان کے سامنے تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے۔ اس نے بچا لیا۔ ایسا سنبھالنے والا کہ اس کی نظیر نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔

ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے۔ کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ بیس کو بچالے گا یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک انا اٰخذ بحجزکم عن النار ھلم الی میں تمہارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں۔ ارے میری طرف آؤ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔ یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں قسم اس کی جس نے انہیں رحمۃ للعالمین بنایا۔ آج وہ ایک ایک مسلمان کا بند کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ الحمد للہ

کیا حامی پایا۔ ابلوں سے بھی ابلوں مراتب زائد گرنے والوں کو ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے۔ پہاڑوں میں ابلیس اور تمام مردود سرکش قید کر دیئے گئے تھے۔ اسی کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔ ملائکہ سبع سموٰت دھوم مچا رہے تھے۔ عرش عظیم ذوق و شوق میں ہلتا تھا۔ ایک علم مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا بام کعبہ پر نصب کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کا دار السلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تمام جہان ان ہی کی سلطنت انہیں کی قلمرو میں داخل ہے۔

اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آپہنچی کر اہل بغض سے اس کی محفل میلاد اس کے خیر مقدم کی مبارک باد ہو رہی ہے۔ قادر علی کل شئی اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔ جبرئیل امین ایک پیالہ شربت جنت کا سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بطن مبارک سے مل کر عرض کریں گے۔

اظہر یا سید المرسلین اظہر یا خاتم النبیین اظہر یا اکرم الاولین والاخرین۔

جلوہ فرمائیے اے تمام رسولوں کے سردار جلوہ فرمائیے۔ اے تمام انبیاء کے خاتم جلوہ فرمائیے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم یا اور الفاظ ان کے ہم معنی مطلب یہ کہ دونوں جہان کے دولہا برات سج چکی اب جلوہ افروزی سرکار کا وقت ہے۔

نظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کالبدر المنیر۔

عشقِ احمد میں جسے چاک گریباں دیکھا
گل ہوا صبح ہمیشہ اُسے خنداں دیکھا

تھا ملاقاتِ رضا کا ہمیں ایک عمر سے شوق
بارے آج اُس کو مدینہ میں غزل خواں دیکھا

۳۴
۷۸۶

الجزء الاول

من

جد الممتار على رد المحتار

المعروف ب

حاشية الشامی

الامام احمد رضا القادری البریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ — ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶م — ۱۹۲۱م

اعتنی بتحقیقه و تصحیحه
اعضاء

المجمع الاسلامی ب مبارکفور اعظم گره الهند

وقد طبع علی نفقة

الشیخ حمید الله قادری حشمتی شارع کلیتن کراتشی

الناشر

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراتشی الباکستان

علامہ شمس الحسن شمس بریلوی

فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام

الحمدللہ کہ برصغیر پاک و ہند میں اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو مسلک حنفیہ کے پیرو اور مقلد ہیں۔ صرف پاکستان ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیشتر ممالک اسلامیہ جیسے افغانستان عراق، شام، اردن، لبنان، مصر، ترکی، بنگلہ دیش میں فقہ حنفیہ کی اتباع کرنے والے مسلمان آباد ہیں اور ان کی ایسی اکثریت ہے کہ دوسرے فقہی مذاہب کے متبعین ایک ایسی اقلیت ہیں جو کوئی امتیازی حیثیت کے حامل نہیں ہیں۔ اب سے چند صدی پہلے کے مشہور خانوادہ ہائے سلاطین جیسے عباسیہ، خوارزم شاہیہ، سلجوقیہ، غزنویہ ان سب خانوادہ ہائے شاہیہ کا فقہ مذہب حنفی تھا۔

زوال بغداد کے بعد جب ترک یا عثمانی اقتدار کو سنبھلنے کا موقع ملا تو سلطنتِ عثمانیہ کے سلاطین اور ان کی رعیّت بھی فقہ حنفیہ پر گامزن تھی۔ صفوی سلطنت کے قیام سے پہلے ایران کے سلاطین تیموریہ، غزنویہ، سلجوقیہ اور خوارزم شاہیہ نے بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور تمام سرزمین ایران میں فقہ حنفیہ کا سکہ چل رہا تھا (آج حالت یہ ہے کہ تہران میں اہل سُنّت والجماعت کی صرف ایک مسجد ہے جس کی امامت و خطابت کے فرائض ایک حنبلی بزرگ انجام دیتے ہیں) سلاطین غزنویہ کو فقہ حنفیہ سے اس قدر تعلق خاطر تھا کہ سلطان محمود غزنوی (اناراللہ برہانہ) نے خود فقہ حنفیہ پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "کتاب التفرید" ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذہب حنفیہ قبولیت کی کس منزل پر تھا۔

ہندوستان میں تیموری (یا مغلیہ) سلاطین کی آمد سے پہلے اسلامی ہند میں خلجی تغلق

سلاطین دہلی خاندان سادات اور خاندان لودھی کے دورہ ہائے سلطنت میں بھی مسلمان عوام اور حکومت وقت کا مذہبِ فقہی حنفی تھا۔ جب یہاں مغلیہ سلطنت کی بنیاد شہنشاہ بابر کے ہاتھوں سے پڑی اس وقت سے آج تک اس برصغیر پاک و ہند میں الحمدللہ کہ مسلمانوں یعنی سوادِ اعظم کا فقہی مذہب یہی ہے البتہ ہند کے بعض سواحلی علاقوں میں شافعیہ مذہب کے متبعین بھی موجود ہیں۔ عہد مغلیہ میں دور اکبری سیاسی اعتبار سے جتنا تابناک دور ہے اتنا ہی مذہبی اعتبار سے انحطاط پذیر دور کہا جاسکتا ہے لیکن علمائے احناف سے یہ دور بھی خالی نہیں تھا اور مذہب حنفیہ اس دور میں جاری وساری تھا۔ مقر سلطنت آگرہ اور اس کے بعد شاہجہانی دور میں بھی دلّی علمائے احناف کا مرکز تھا اور حقیقت یہ ہے کہ دورِ شاہجہانی سیاسی امن وسکون کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کا تابناک دور ہے۔ شاہجہانی دور کے علمائے احناف میں حضرت مقتدلئے اہل سنّت محدّث علّامہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی، گل سرسبد ہیں احیائے حدیث مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے فروغ اشاعت میں آپ کی مساعی ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کے علاوہ ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی (ہر چند کہ آپ کا شمار علمائے معقولات میں کیا جاتا ہے) علامۂ دوراں سعد اللہ خاں، مولانا عبدالسلام فن تفسیر و فقہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آخر الذکر مفتی لشکر شاہی کے جلیل القدر منصب پر فائز تھے، علاوہ ازیں ملّا عوض وجیہہ، علامہ مولوی یعقوب لاہوری یگانۂ روزگار حضرات تھے (مولانا یعقوب لاہوری وہی صاحبِ ایمان وانصاف بزرگ ہیں جنہوں نے اورنگ زیب کے اصرار کے باوجود شاہزادہ داراشکوہ کے محضر الحاد پر دستخط کرنے سے صاف انکار کردیا تھا) یہ تمام حضرات فقہ حنفیہ کی ترویج واشاعت میں ہمہ وقت مصروف ومشغول رہتے تھے شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب کے عہد معدلت آگیں پر نظر ڈالیئے تمام ہندوستان سلطان باتدبیر کی حکمتِ عملی سے زیرنگیں آگیا تھا۔ اس دور میں فقہ حنفیہ کو خوب پھولنے پھلنے کا موقع ملا۔ اسی دور میں مولانا (ملّا) نظام ٹھٹھوی کی قیادت وسرکردگی میں فقہ حنفیہ کا ایک شاہکار

مجموعہ مدوّن ہوا جو فتاویٰ ہندیہ یا فتاویٰ عالمگیری کے نام سے موسوم ہے اور مشہور و معروف ہے۔ لیکن قارئین کرام کے ذہنوں سے اس مغالطہ کو دور کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ہند میں فتاویٰ عالمگیری کو اولیت کا شرف حاصل نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف سلطان فیروز تغلق کو عطا فرمایا تھا کہ اس سلطان ذیشان کے عہد میں صوبہ بہار کے سپہ سالار تتارخاں (یا تاتارخاں) کی ہمت افزائی سے اس دور کے ایک مشہور علّامہ اور فقیہہ حضرت مولانا عالم ابن علّامہ علاؤالدین نے فتاویٰ حنفیہ کا ایک ضخیم مجموعہ (جو چار جلدوں پر مشتمل ہے) مدوّن فرمایا اور تتارخان کے نام سے اس کو معنون کیا۔ یہ وہی فتاویٰ تتارخانیہ ہے جو مابعد کے فقہا کے لئے مستدل و مفتیٰ بہ رہا ہے۔ آپ فقہ حنفیہ یا فتاویٰ حنفیہ کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں پائیں گے جو عہد فیروزی کے بعد مدوّن یا مرتّب ہوئی ہو اور اس میں فتاویٰ تتارخانیہ کا حوالہ موجود نہ ہو۔ ایک بات یہاں اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فتاویٰ ہندیہ کی تدوین ایک مجلس فقہا (اکیڈمی) کے زیر نگرانی ہوئی جس کے سربراہ مولانا احمد نظام ؒ تھے اور اس مجلس میں تقریبًا چالیس علمائے کرام و مفتیان عظام اس کی تدوین میں مشغول و مصروف تھے اور فتاویٰ تتارخانیہ صرف ایک عالم کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے بعض تلامذہ یا رفقائے سے بھی اس سلسلہ میں اعانت حاصل کی ہو لیکن ایسی صراحت کہیں موجود نہیں ہے جبکہ جبکہ فتاویٰ ہندیہ کی تدوین میں فقہائے وقت کا اشتراکِ عمل تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فتاویٰ تتارخانیہ کو عوام میں وہ شہرت حاصل نہ ہوسکی جو فتاویٰ ہندیہ کو حاصل ہوئی۔ حکومت وقت کی مالی اعانت سے کئی سال کی شبانہ روز کاوشوں سے فقہ حنفیہ کی تمام کتب ظاہر الروایۃ و نوادر اور دوسری مستند کتابوں سے مسائل کی تخریج اور جزئیات پر بحث و جرح کے بعد مسائل فقیہہ کی تبویب کے ساتھ اس کو مرتب کیا گیا۔ فتاویٰ ہندیہ کی جامعیت کے باعث اس کا شہرہ صرف ہند تک محدود نہیں رہا بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں اس کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا اور آج بھی اسی طرح معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے اور بلادِ اسلامیہ میں فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی ایسا دارالافتاء ہو جہاں

تخریج مسائل میں اس سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو۔ سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے بعد ملک میں طوائف الملوکی نے جگہ لے لی اور فرزندان اورنگ زیب، سلطان اورنگ زیب کی وصایا کے مطابق تقسیم مملکت پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اور ایک دوسرے کا خون بہانا ہی پسند کیا عہد عالمگیری کی تاریخ پھر دہرائی گئی اور شہزادے نے بہت جلد اس بار گراں سے سبکدوشی حاصل کر لی جو عالمگیر نے ان کے ناتواں کاندھوں پر رکھ دیا تھا۔ بہت جلد حکومت عالمگیری کے حدود سمٹنا شروع ہوئے اور جاٹوں، سکھوں اور راجپوتوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے اس کو یہاں کیا بیان کروں۔ اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ فرمایئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ اٹھارویں صدی کے وسط کے بعد کی دہائی میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی آخری شمع عالم کس مپرسی میں رنگون میں بجھ گئی۔

اس دور اختلال و فتن میں کسے اتنا ہوش تھا کہ علوم اسلامیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں روغن ڈالتا اور اس کی لو کو اٹھاتا وہ تو یہ کہیئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور ان کے نامور فرزندوں نے علوم اسلامیہ کی لاج رکھ لی۔ شاہ صاحب کی تصانیف اسلامی ہند میں اسلامی علوم کے چراغ مردہ کی آخری لو تھی جو ایک بارگی تیزی سے بھڑکی اور پھر چراغ بجھ گیا۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآن، اصول تفسیر و حدیث، اور آپ کی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔ شاہ صاحب کے فرزندوں میں شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبد القادرؒ نے بھی قرآن حکیم کے اردو ترجمے کئے آپ کے خاندان کے ایک رجل عظیم شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے تفسیر عزیزی لکھ کر ایک بڑا کام کیا۔ تفسیر عزیزی اس وقت کی علمی و ادبی زبان فارسی میں ہے۔ اس وقت دہلی مسلمانوں کا مرکزی مقام تھا۔ مسلمانان ہند اپنی ضروریات دینی سے متعلقہ مسائل شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کرتے اور دور دراز مقامات کے رہنے والے بذریعہ مراسلت استفسار کرتے شاہ صاحب جوابات دیتے اور ارسال کرتے۔ فتاویٰ عزیزیہ انہی فتووں کا مجموعہ ہے (جو فارسی

زبان میں تھا اور اس کا اُردو ترجمہ کیا گیا) شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہ فتاویٰ ان کے اجتہاد پر مبنی نہیں ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوئے مدت مدید گزر چکی تھی اب تو صرف دوسرے مذاہب فقہی (شافعی، مالکی، حنبلی) کی طرح فقہ حنفی کی کتب ظاہر الروایت اور نوادر ہی مفتی بہ تھیں ان ہی سے تفحص وتلاش کے بعد فتویٰ دیا جاتا تھا۔ فقہ حنفیہ کی مشہور کتب ظاہر الروایت میں جو کتب بہت زیادہ مشہور ہیں اور آج تک قرنوں سے نقل در نقل اور اب طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں تک پہونچی ہیں ان کے ذکر سے پہلے میں یہاں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ظاہر الروایت اور مسائل النوادر کی تشریح کردوں کہ آئندہ جب یہ الفاظ استعمال ہوں تو قاری کے فہم پر بار نہ گزریں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے جو اقوال فقیہہ (مسائل دینی ومعاملات دنیوی) ہم تک پہونچے ہیں وہ آپ کے تلامذۂ گرامی کے ذریعہ سے پہونچے ہیں۔ خود امام صاحب قدس سرہٗ کی تصنیف لطیف فقہ میں ایک رسالہ ہے جو "الفقہ الاکبر" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ایک کم ضخامت وحجم کا رسالہ ہے اور علامہ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے اس کا متن اس شرح کے ساتھ مصر میں طبع ہوا ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں چار شاگرد ایسے ہیں جن پر فقہ حنفیہ نازاں ہے اور جن کی مساعی سے فقہ حنفیہ کا گراں بہا خزانہ آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ہیں حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ (یعقوب بن ابراہیم م ۱۸۳ھ) امام زفر بن ہذیل (م ۱۵۸ھ) امام محمد حسن بن فرقد شیبانی اور امام حسن بن زیاد لؤلؤی (رحمۃ اللہ علیہم)۔ ان چاروں حضرات میں امام ابویوسف اور امام محمد دنیائے فقہ میں صاحبین کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انہی چاروں ائمہ کے ذریعہ حنفی مذہب دنیا میں پھیلا۔ اور حنفی مسلک میں تصنیف وتالیف کا خزانہ ان کی بدولت اور ان کی مساعی سے معمور ہوا۔ اگر یہ حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اقوال کو منضبط نہ کرتے تو فقہ حنفیہ اس بلندی پر نہ ہوتا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ اقوال کس طرح منضبط ہوئے اس کا مختصر حال بھی مطالعہ فرمائیے!

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین فقہ کا اہم کام ۱۲۱ھ سے شروع کیا۔ آپ نے اپنے تلامذہ میں سے چالیس حضرات منتخب فرما کر ایک مجلس، تفقہ فی الدین، قائم کی۔ اس مجلس میں امام ابویوسف، امام زفر، امام محمد، خواجہ داؤد طائی، شیخ فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) جیسے مشاہیر و اکابر شامل تھے) ان حضرات کے علاوہ جو اور حضرات تھے وہ بھی ایسے ارباب فطانت، ذکاوت اور صاحب فضل و کمال تھے جن کی مسائل دینی اور اجتہاد میں بہت گہری نظر تھی۔ ان چالیس حضرات میں تمام حضرات تفسیر، احادیث و آثار، علوم عربیہ اور لغت عرب میں یگانۂ روزگار تھے۔ اس مجلس میں تدوین مسائل کا یہ طریقہ یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اگر مجلس کے تمام افراد ایک رائے پر متفق ہو گئے تو اس کو معرض تحریر میں اسی وقت لے آتے تھے ورنہ بصورت اختلاف اس پر آزادانہ بحث و تمحیص ہوتی۔ ارباب مجلس اپنی اپنی رائے پیش کرتے۔ امام صاحب اُن تمام آرائے مختلفہ کو سن کر فیصلہ صادر فرماتے اور اس فیصلہ کو تحریر کر لیا جاتا۔ اس طرح ۱۵۰ھ تک یہ مجلس تدوین فقہ قائم رہی اور اس تیس سال کی مدت میں جرح و تحقیق و اجتہاد کے بعد فقہ کا ایک عظیم الشان ذخیرہ مرتب ہوا۔ امام موفق رح تحریر کرتے ہیں کہ امام اعظم رح نے تراسی (۸۳) ہزار مسئلے املا کرائے جن میں اڑتیس ہزار عبادات میں اور پینتالیس ہزار معاملات میں ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (رضی اللہ عنہ) کے جلیل القدر تلامذہ میں امام محمد رح اور امام ابویوسف نے مسائل فقہی کی ایسی توضیح اور تشریح کی کہ امام صاحب رض کے اصل مجموعہ کی پھر ضرورت باقی نہیں رہی کہ ان توضیحات و تشریحات کی اصل امام صاحب رض کے اقوال اور فیصلے ہی تو تھے اس طرح

لہ حضرت داؤد طائی اور حضرت فضیل بن عیاض آسمان طریقت و معرفت کے درخشندہ ستارے ہیں حضرات صوفیہ و مشائخ عظام میں صرف ان حضرات کو حضرت امام اعظم کا شرف تلمذ حاصل تھا یوں فقہا کے زمرہ میں حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت شقیق بلخی، حضرت معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) بھی شامل ہیں۔ اکثر و بیشتر حضرات ان حضرات کو صرف شیوخ طریقت ہی سمجھتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حضرات علوم شریعت یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ میں بھی بلند مقام کے حامل تھے۔

اصل ماخذ اس طرح قابل اعتنا نہیں رہا جس قدر آپ کے تلامذہ کی تالیفات :۔ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) کی یہ توضیحات اور تشریحات آج تمام دنیا میں موجود ہیں اور یہی فقہ حنفیہ کا ماخذ و مبنیٰ ہیں۔ اِن دو حضرات یعنی صاحبین کے علاوہ اور بہت سے افاضل و مشاہیر فقہا نے مذہب حنفیہ پر ایک گرانقدر سرمایہ اپنی یادگار چھوڑا ہے اور ان حضرات کی کتب بھی فقہ حنفیہ میں مفتی بہ ہیں البتہ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ مذہب حنفیہ پر تالیفات میں عظیم ترین حصہ امام محمد کا ہے۔ امام محمد (بن حسن شیبانی) نے فقہ حنفیہ پر جو کتابیں تالیف کی ہیں وہ دو طرح کی ہیں ایک وہ جن کا نام بحیثیت مجموعی، کتب ظاہر الروایت ہے اور قسم دوم میں وہ کتب ہیں جن کو "کتب النوادر" کہتے ہیں۔

فقہ حنفیہ میں کتب ظاہر الروایت یہ ہیں۔ المبسوط، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب الیسر الصغیر اور زیادات، اِن چھ کتابوں کو علامہ شیخ ابو الفضل مروزی نے اپنی تصنیف، الکافی میں جمع کیا ہے۔ فقہ حنفیہ کے مسائل کی زیادہ تر تخریج کتب ظاہر الروایت سے کی جاتی ہے۔ کتب نوادر میں کتاب امالیٔ محمد، کیسانیات (شعیب کیسانی نے اس کی روایت کی ہے) کتاب الرقیات، ھارونیات، جرجانیات اور کتاب المخارج فی الحیل ہے۔ کتب نوادر میں حضرت امام اعظمؒ کی کتاب "المجرد" بھی شامل ہے جس کی روایت آپ کے شاگرد امام حسن بن زیاد لؤلؤی نے کی ہے، کتاب الآثار بھی محمد حسن لؤلؤی کی تالیف ہے۔

صاحبین اور امام حسن بن زیاد کے بعد فقہ حنفیہ کے مدونین و مولفین میں علامہ احمد بن عمر المعروف بہ خصّاف (م ۲۶۱ھ) بھی قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تالیفات میں کتاب الحیل اور کتاب الوقف بہت مشہور ہیں۔ علامہ خصّاف کے بعد امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۲۲ھ) ہیں جو کتاب جامع الکبیر فی الشروط کے مؤلف ہیں اور فقہ حنفیہ کے اولین مولفین کے زمرہ میں شامل ہیں۔ ائمہ مذکور اور دوسرے فقہائے حنفیہ کے بعد وہ طبقہ پیدا ہوا جو مجتہد نہیں بلکہ فقہ حنفیہ کے مقلد اور مؤید تھے ان اصحاب میں شیخ ابو الحسن کرخی (م ۳۴۰ھ) امام عبد اللہ جرجانی (م ۳۹۸ھ) قابل ذکر ہیں۔ امام

عبداللہ جرجانی فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "خزانۃ الاکمل" کے مؤلف ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور مولفین فقہ حنفیہ میں احمد بن محمد قدوری ہیں، آپ کی مشہور تالیفات میں المختصر القدوری سب سے نمایاں ہے جس کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں۔ اسی صدی میں شمس الائمہ محمد بن احمد ابو بکر سرخسی نے، المبسوط کے نام سے کتاب فقہ مدون کی امام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲ھ) اپنی تالیف، کتاب الاصول، کی وجہ سے مشہور ہیں۔ علامہ ابو بکر کاسانی (م ۵۸۷ھ) مشہور زمانہ کتاب "بدائع الصنائع" کے مؤلف ہیں، کتاب کا پورا نام "بدائع الصنائع فی الترتیب الشرائع" ہے۔ یہ بدائع الصنائع کے مختصر نام سے مشہور ہے اور مفتیٰ بہ ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے زندۂ جاوید مصنف علامہ شیخ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ) ہیں جو اپنی بے مثل کتاب "کتاب الہدایہ" کے باعث مشہور زمانہ ہیں، صاحبین کی تصنیفات کے بعد "ہدایہ" جیسی شہرت فقہ حنفیہ کی کسی کتاب کو شاید ہی میسر آئی ہو۔ آپ کی ایک اور کتاب "شرح ہدایۃ المبتدی" ہے لیکن ہدایہ کے سامنے اس کی شہرت ماند پڑ گئی، ہدایہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اور درسیات میں متداول ہے۔ کتاب ہدایہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے۔ ہدایہ کی شروح میں سروجی کی "کفایہ" علامہ کرلانی (؟) کی "وقایہ"، تاج الشریعۃ محمودؒ محبوبی نے وقایہ کا خلاصہ "نقایہ" کے نام سے کیا۔ ان تمام شروح میں علامہ کمال الدین ابن ہمام کی "فتح القدیر" (آٹھ جلدوں میں) شرح ہدایہ مشہور زمانہ ہے اور معتبر و مستند ہے۔

ساتویں صدی ہجری سے پہلے ہی تقلید کا قطعی دور شروع ہو چکا تھا اب صرف فقہ کے متون اور ان پر تعلیقات اور ان کی شروح لکھنے پر اکتفا کی جانے لگی تھی۔ پھر ان تعلیقات اور شروح کی شروح مرتب ہوئیں اور مسائل حنفیہ پر فتاویٰ مرتب ہونے شروع ہوئے۔ میں ان فتاووں کی صراحت "فتاویٰ رضویہ" کے ضمن میں کروں گا۔ اب شروح اور تعلیقات کا ایسا دور شروع ہوا

جس نے بہت جلد فقہی خزانہ کو معمور کر دیا اس دور کی مؤلفات اور شروح میں ان کتابوں نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی اور متاخرین فقہا کے نزدیک یہ کتابیں معتبر اور مستند رہیں۔

المختصر: مولفہ احمد بن محمد قدوری، متاخرین فقہا میں وہ چار کتابیں جو چار متون کے نام سے مشہور رہیں وہ یہ ہیں:۔ وقایہ مختصر الہدایہ، مختار اور البحرین مولفہ ابن الساعاتی (م ۶۸۳ھ) کنز یا کنز الدقائق مولفہ حافظ علاؤالدین نسفی (م ۷۱۰ھ) مذکورہ بالا چار متون میں "کنز الدقائق" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ہدایہ کے بعد کنز الدقائق فقہ حنفیہ میں ایک ایسی کتاب ہے جس کے حواشی و شروح اس طرح مشہور ہوئے کہ اصل کتاب کی شہرت بھی دب گئی۔ کنز الدقائق کی شروح میں یہ شروح مشہور زمانہ ہیں:۔

۱۔ تبیین الحقائق، مؤلفہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ ۲۔ رمز الحقائق مؤلفہ عینیؒ ۳۔ بحر الرائق مؤلفہ زین العابدین بن نجیم المعروف ابن نجیم ۴۔ نہر الفائق مولفہ عمر بن نجیم ۵۔ تحفۃ الفائق مؤلفہ ابن زین العابدینؒ ۶۔ کشف الحقائق مولفہ

متاخرین علمائے حنفیہ کی مندرجہ ذیل تالیفات نے بہت شہرت حاصل کی:۔

۱۔ جامع الفصولین مولفہ ابن قاضی سماوہ (م ۸۲۳ھ)

۲۔ دار الاحکام (شرح غرر الاحکام) مؤلفہ ملا خسرو (م ۸۸۵ھ) اس کا ایک حاشیہ غنیہ ذوی الاحکام از علامہ شربنلالی، بہت مشہور و معروف ہے۔

۳۔ منتقی الابحر، مؤلفہ علامہ حلبیؒ (م ۹۵۶ھ)

۴۔ مجمع الانہر (یہ منتقی الابحر کی شرح ہے۔ مؤلفہ علامہ داماد آفندی (م ۱۰۷۸ھ)

۵۔ الدر المنتقی (یہ منتقی الابحر کی دوسری شرح ہے) جو علامہ علاء الدین حصکفیؒ (م ۱۰۸۸ھ)

۶۔ تنویر الابصار مؤلفہ علامہ تمرتاشی، یہ ایک ایسی جامع اور فقہ حنفیہ کی مستند، معتبر اور معتمد کتاب ہے جس کی شروح ہدایہ اور کنز الدقائق کے بعد سب سے زیادہ لکھی گئیں اور وہ بھی بہت مبسوط اور ضخیم۔

۷۔ تنویر الابصار کی مشہور ترین ضخیم شرح درالمختار ہے۔ یہ علامہ حصکفی کی تالیف ہے۔

۸۔ ردالمختار علی الدر المختار، درمختار کی شرح ہے اور محمد امین عابدین کی تالیف ہے اس شرح کا تکملہ ان کے فرزند علاؤالدین نے کیا اور (۹) یہ تکملہ "قرۃ عیون الاخیار" کے نام سے مشہور ہے (ردالمحتار، شامی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں درمختار کا اردو ترجمہ نولکشوری نسخہ کا عکس ہے اور عام طور پر دستیاب ہے۔ یہ ترجمہ "غایۃ الاوطار" کے نام سے مشہور ہے۔

فقہ حنفیہ کی ان مشہور کتب کے تذکرہ کے بغیر میرا یہ مضمون تشنہ رہتا علاوہ ازیں اس فہرست کو پیش کرنے کا ایک مقصد خاص اور بھی ہے وہ یہ کہ اس مضمون کا اصل موضوع اعلیٰحضرت مقتدائے اہل سنت علامہ شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کا "فتاویٰ رضویہ" ہے اس مضمون کے قارئین کی توجہ "فتاوی رضویہ" کی جلد اول کے مقدمہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں حضرت رضا قدس سرہٗ نے اپنے فتاوی کی جلد اول کو جیسا کہ تصنیف و تالیف کی نگارش میں مصنفین و مولفین کا معمول ہے، حمد و نعت اور منقبت سے شروع کیا ہے جو نہایت ہی بلیغ و فصیح انداز میں سپرد قلم کی گئی ہے۔ بادی النظر میں قاری کو صرف حمد و نعت اور منقبت نظر آتی ہے لیکن اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علامہ قدس سرہٗ العزیز نے، صنعت براعت استہلال میں اپنے تبحر علمی سے ان تمام کتب فقہ حنفیہ کو بیان کر دیا ہے، جن کا مختصر تعارف میں نے سطور سابقہ میں آپ سے کرایا ہے اور کمال یہ ہے کہ انشا میں آورد یا تصنع کا رنگ کہیں پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ بیان میں دلکشی اور آمد ہی آمد ہے۔ قارئین کرام کو حضرت رضا قدس سرہٗ کے اس لطیف انداز بیان سے روشناس کرانے کے لئے میں نے کتب فقہ حنفیہ کے اکثر نام بہ ترتیب زمانہ تالیف و تصنیف پیش کر دیئے ہیں تاکہ مقدمہ کا حقیقی لطف آپ اٹھا سکیں۔ حضرت علامہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا مقدمہ براعت و استہلال کی صنعت میں ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

اس برصغیر کے دور انحطاط میں مدارس عربیہ جو کچھ خدمت اسلام کی کرتے رہے وہ ہمارے

ہمارے سامنے ہے لیکن اجتماعی اعتبار سے کوئی اہم کام سرانجام نہ پاسکا۔ علمائے ہند نے حسب ضرورت فقہ حنفیہ پر کچھ کتابیں ضرور لکھیں لیکن ہمارے متقدمین، متوسطین اور متاخرین علمائے کرام کی تالیفات و تصنیفات کی طرح وہ مشہور زمانہ نہ ہوئیں۔

تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں اردو زبان میں مسائل فقہی پر کچھ کتابیں لکھی گئیں لیکن مقصد تالیف کے تحت ان کا انداز بالکل عمومی تھا۔ ان تالیفات کا مقصد یہ تھا کہ عام مسلمانوں کو ان کے دینی احکام سے آگاہ کردیا جائے اور غلط راستہ پر چلنے سے ان کو روکا جائے اس سلسلہ میں حضرت مولوی رکن الدین صاحب الوری قدس سرہٗ کی اُن کوششوں کو کہاں تک سراہا جائے کہ انھوں نے "رکن الدین" جیسی آسان اور یسیر الفہم کتاب ہر وقت پیش آنے والے فقہی مسائل پر مرتب کردی۔ شرح وقایہ کے اردو ترجمے بھی ہوئے لیکن اس کو کیا کہیئے کہ مدارس اسلامیہ میں درس نظامی معین و مقرر تھا اس سے کس کی مجال تھی کہ سرِ مُو انحراف کرسکے۔ درس نظامی میں معقولات پر بھرپور توجہ کی جاتی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے درجہ چہارم میں جاکر کہیں تفسیر و فقہ سے روشناسی حاصل ہوتی تھی (وہ بھی تفسیر جلالین کی حد تک) فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ہدایہ تک طلبا کے ذہنوں کی رسائی تھی۔ ان مدارس میں فقہ کے نصاب میں صرف شرح وقایہ اور ہدایہ ہی متداول تھیں (ممکن ہے اب کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں)۔

مدعائے نگارش یہ ہے کہ جنگ آزادی کے بعد کے ہوش رُبا حادثات نے دلوں کا سکون چھین لیا تھا اس لئے ان دینی مدارس میں جو کچھ دینی تعلیم دی جارہی تھی وہ بھی بہت غنیمت تھی ورنہ بقول حضرت اکبر الہ آبادی نوبت تو یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ:؂

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے یہ جا کے تھانے میں
کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ایسے پُرآشوب دور میں ہند کے حنفی مسلمانوں کے لئے روہیلکھنڈ کے صدر مقام بریلی میں

ایک شمعِ فروزاں ان کا ملجا و ماوی تھی۔ اس ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے جن کرامتوں سے سربلند فرمایا تھا اور علم دین کے جس بے پایاں خزانہ کا مالک بنایا تھا اِن چند صفحات میں اِن کا کس طرح اظہار کروں وہ ذاتِ گرامی تھی

امام اہل سُنّت، مجدد مائۃ ثالث عشر، مؤید ملت طاہرہ

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نوری قدس سرہٗ

کی جنہوں نے بیدینی کی آندھیوں میں چراغِ ایمان کو اپنے تبحر علمی کے دامن کی اوٹ میں اس طرح فروزاں رکھا کہ مسلمانوں کو ضلالت و گمراہی سے بچایا اور ان کو سرگشتۂ بادیۂ خذلان و بطلان نہونے دیا اور اپنی علمی توانائیوں سے جرأت مندانہ کام لیتے ہوئے اس خذلان و ضلالت کے سیلاب کے آگے ایک مضبوط بند باندھ دیا جو نادان اور کم علم مسلمانوں کی متاعِ ایمان اور عظمتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے روح پرور جذبات کو اپنی تندرو میں بہالے جانے کے لئے بڑھتا چلا آرہا تھا۔ معاشی بدحالی نے بھی مسلمانوں کی کمر توڑ دی تھی۔ سرسید اور ان کے رفقاء ملت اسلامیہ کا درددل میں لے کر اٹھے اور انگریزی زبان، ان کے علوم و فنون اور ان کی تہذیب کی تحصیل کو اس درد کا درماں قرار دیا۔ حضرت اکبرآبادی چلّاتے رہ گئے کہ:۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای   باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

سرسید اور ان کے رفقاء کی تحریک پر بعض دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں اس سلسلہ میں ندوۃ العلما لکھنؤ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اس دورِ انحطاط میں ایک طبقہ نے کفر و شرک کی غلاظت کے انبار، عشق رسول (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے متوالوں اور عظمتِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شمع کے پروانوں پر پھینکنا اپنا شعار بنالیا تھا۔ ایسے پُرآشوب دور میں اعلیٰحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کا عزم صمیم فرمایا اور اس راہِ پُرخطر پر اپنے مضبوط قدم رکھ دیئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی کو مشکور فرمایا۔ اس یگانۂ روزگار، فقیہہ بے عدیل و محدّث بے نظیر (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی زندگی کے روز و شب اسی میں صرف فرمادیئے آپ کے قلم کے زور اور

بیان کی قوت استدلال نے اعدائے دین کے مُنہ پھیر دیئے آپ نے زبان و بیان کی تمام توانائیوں کو اس راہ میں صرف فرمادیا۔ (فجزاہ اللہ احسن الجزا) آپ کا ہر نفس اس راہ میں صرف ہوتا تھا آپ کے قلم سے جو کچھ نکلتا وہ اسی جذبہ کا ترجمان ہوتا۔

فرش والے تری شوکت کا عُلو کیا جانیں　　خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

اس سلسلہ میں آپ نے صدہا رسائل تحریر فرمائے۔ اگرچہ آپ کے تبحر علمی کی دُنیا بہت وسیع تھی، تمام علوم معقول اور منقول بشمول ریاضیات وطبیعیات و مابعد الطبیعیات آپ کی طبع وقاد کی گرفت میں تھے اور یہ تمام رسائل آپ کا منتہائے علم اور غایت توجہات کبھی نہیں رہے۔ ان رسائل کی تصنیف سے آپ کا مقصد مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ اور ان کی نگہداشت اور ضلالت و گمراہی پھیلانے والوں کے دام فریب سے عامۃ المسلمین کو ہوشیار رکھنا تھا، اس سلسلہ میں آپ نے جو رسائل تحریر فرمائے اس مضمون میں اتنی گنجائش کہاں کہ میں ان کے صرف نام ہی ضبط تحریر میں لاؤں ان رسائل میں کچھ تو معمولی ضخامت کے ہیں لیکن اپنے دلائل میں بے مثل و بے نظیر ہیں اور ایسے مبرہن اور مدلل کہ اعدائے دین وسُنّت کی زبانیں ان کے مقابلہ میں گنگ ولال ہوگئیں۔ اور بعض رسائل ضخیم بھی ہیں جیسے الدولۃ المکیہ وغیرہا۔ لیکن تفقہ فی الدین میں آپ کی فکر و قلم کا شاہکار آپ کا "فتاویٰ رضویہ" ہے جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر ایک جلد ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی ہر جلد میں متعدد رسائل بھی موجود ہیں کہ بعض سوالات کے تفصیلی اور مدلل جواب کے لیے دو چار صفحات ناکافی تھے اس لیے جواب میں ایک رسالہ مرتب کرنا پڑا۔ اگر ہر جلد کے ان رسائل کو یکجا کر لیا جائے تو موضوع متعلقہ پر "فقہ حنفیہ" کی ایک مبسوط کتاب ہوگی، فتاویٰ رضویہ کے سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اپنے قارئین کو یہ بتاؤں کہ مذاہب اربعہ میں فقہ حنفیہ کو یہ اعزاز وشرف حاصل ہے کہ اس مذہب میں "فتاویٰ" کے جس قدر مجموعے مرتب ہوئے وہ اور کسی مذہب فقہی میں مرتب نہیں ہوئے۔

تاریخ فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ حنفیہ میں فتاویٰ کی کتابوں میں اولیت کا شرف

"فتاویٰ ولوالجیہ" کو حاصل ہے۔ فتاویٰ کا یہ مجموعہ علامہ عبدالرشید ولوالجی (م ۵۴۰ھ) کی تالیف ہے، فتاویٰ ولوالجیہ کے بعد فتاویٰ قاضی خان ہے جو علامہ حسن بن منصور (م ۵۹۲ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کا پورا نام اس طرح ہے، امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی

یہ فتاوی فقہ حنفیہ میں بہت مشہور و معتبر ہے اور فتاویٰ ہندیہ کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد فتاویٰ ظہیریہ ہے جو فقیہہ اعظم ظہیرالدین بخاری (م ۶۱۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تھے چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے فتاویٰ کے مشہور مجموعے۔

آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مجموعہ فتاویٰ "فتاوی طرطوسیہ" ہے جو انفع الوسائل الی تحریر المسائل کے نام سے معروف ہے۔ یہ علامہ ابراہیم بن علی طرطوسی (م ۷۵۸ھ) کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ سرزمین برصغیر پاک و ہند میں سلطان فیروز تغلق کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے دور سلطنت میں صوبہ بہار کے ناظم تتارخان کے نام پر معنون شیخ عالم بن علاؤالدین (م ۸۰۰ھ) نے آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں مجموعہ فتاویٰ مرتب کیا اور ناظم بہار کے نام سے معنون کرتے ہوئے اس کو فتاویٰ تتارخانیہ سے موسوم کیا۔ یہ فتاویٰ بہت مشہور و معروف ہے اور مابعد کے فتاویٰ میں اس کے حوالہ بکثرت موجود ہیں۔

نویں صدی ہجری میں علامہ حفیظ الدین محمد المعروف بہ ابن بزاز (م ۸۲۷ھ) نے جو فتاویٰ کا مجموعہ مرتب کیا۔ وہ ان کی ابوت کی نسبت سے "فتاویٰ بزازیہ" کہلاتا ہے دسویں صدی ہجری میں فقیہہ معروف مولانا خیرالدین منیف فاروقی رملی (م ۱۰۸۱ھ) نے فتاویٰ خیریہ مرتب کیا۔ اسی صدی میں محمد آفندی القروی (ساکن القرہ) نے فتاویٰ القرویہ مرتب کیا (ترکی کے محکمۂ قضا میں اس کو بہت اعتبار حاصل ہے اور مفتیٰ بہ ہے) اسی صدی میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں اس برصغیر میں فقہ حنفیہ پر ایک عظیم کام ہوا یعنی ملا نظام الدین ٹھٹھوی کی سرکردگی میں علماء حنفیہ کی ایک جماعت نے چھ سال کی محنت سے ایک مجموعہ فتاویٰ مرتب کیا جو

"فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے یہ فتاویٰ فقہ حنفیہ میں بہت معتبر اور مفتی بہ ہے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ بلادِ اسلامیہ میں بھی مشہور و معروف ہے اور کئی بار مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ اس کے حاشیہ پر فتاویٰ قاضی خان ہے۔ فتاویٰ ہندیہ ۲۳×۳۶/۸ سائز پر چار معمولی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں مفتی دمشق قاضی حامد آفندی ابن علی عمادی (م ۱۱۷۵ھ) نے فتاویٰ حامدیہ مرتب کیا جو شام و عراق کے حنفیوں میں مشہور و معروف اور مستند ہے۔ فتاویٰ عالمگیری یا فتاویٰ ہندیہ کے بعد برصغیر پاک و ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کے عالم متبحر و محدث و مفسر و فقیہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے فتاویٰ عزیزیہ ـــــ جس کی متن کی زبان فارسی تھی (اردو میں اس متن کا ترجمہ ہو چکا ہے) مرتب فرمایا۔ شاہ صاحب کو فقہ و حدیث پر بڑی دسترس تھی اس لئے آپ کا یہ مجموعہ فتاویٰ بڑا معتبر اور مستند ہے۔ فتاویٰ کی تاریخ میں فتاویٰ عبد الحئی (مولانا عبد الحئی فرنگی محلی لکھنوی) کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے۔ ان کی اس خدمت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آج بھی یہ فتاویٰ دستیاب ہے۔

تیرہویں صدی ہجری میں ممالک اسلامیہ میں مفتی مصر شیخ محمد عباسیؒ مہدی کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ مہدیہ کے نام سے مصر میں طبع ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ اس برصغیر میں فتاویٰ رضویہ کی تدوین عمل میں آئی، فتاویٰ رضویہ تیرہویں صدی کے عشرۂ آخر اور چودہویں صدی کے ربع اول میں لکھے جانے والے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اعلیٰحضرت امام اہل سنّت، فقیہ عصر، محدّث علّام، شاہ احمد رضا خان قادری رضوی قدس سرہٗ کی فطانت و ذکاوت، تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک شاہکار ہے اور اب تک کہ ۷۰، ۸۰ سال گزر چکے ہیں ایسا جامع اور مبسوط، مدلل و مبرہن کوئی دوسرا مجموعہ فتاویٰ حنفیہ مرتب نہ ہو سکا۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے خود مقدمہ میں صراحت فرمائی ہے، اس مجموعہ کا نام "العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ" ہے جو صاحب فتاویٰ کی صراحت کے بموجب سات ضخیم جلدوں پر مشتمل تھا۔ فتثقل الاحباب حجم المجلدات وجزؤہا علی اثنی عشر۔

اس کو بارہ جلدوں میں منقسم کیا گیا اور یہ عمل خود صاحب فتاویٰ کی اجازت سے سرانجام ہوا۔ اس تدوین کے بعد بھی اعلیحضرت، عظیم البرکت کے وصال تک سینکڑوں فتاویٰ اور جمع ہو گئے تھے اور اس طرح اس کی اور جلدیں مرتب اور مدوّن کی گئیں۔ اس طرح آج فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے بعض مجلدات ہندوستان میں طبع ہوئیں اور چند جلدیں پاکستان میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اس برصغیر میں فتاویٰ رضویہ آخری گرانقدر فقہ حنفی پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ ہے، چودہویں صدی ہجری کے اواخر تک ایسا مہتم بالشّان کوئی اور فتاویٰ مرتب نہیں ہوا۔

فتاویٰ رضویہ کی ہر ایک جلد کا ایک مستقل موضوع ہے مثلاً جلد اول، کتابُ الطہارۃ پر مشتمل ہے جس کے تحت مختلف ابواب ہیں۔ اسی طرح دوسری جلد کتابُ الصّلوٰۃ پر مشتمل ہے اور وہ بھی مختلف ابواب کی حامل ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ناظرین فتاویٰ خود اس سلسلے میں وقوف حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے ابھی فتاویٰ رضویہ کے سلسلہ میں بہت کچھ عرض کرنا ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی تدوین کا بہت ہی مختصر سا صوری تعارف کرانے کے بعد مجھے فتاویٰ رضویہ کی معنوی حیثیت، اس کی بلند مائیگی، مسائل کے استنباط و استخراج اور ان کے استدلال کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے کہ، خواجہ تاشانِ بارگاہِ رضا کے سامنے اس پہلو کو شاید کبھی تک پیش نہیں کیا گیا اور یہی میرے اس مضمون کی نگارش کا مدعائے خاص ہے!

فتاویٰ رضویہ سے اگر سوالات کو حذف کر دیا جائے تو اس کی ہر جلد میں فقہی موضوع پر ایک مستقل تصنیف بن جاتی ہے جس میں آپ کو اس فقہی موضوع سے متعلق تمام جزئی مسائل بھی پوری صراحت اور دلالت کے ساتھ ملیں گے اور اس سلسلہ میں ایسی موشگافیاں کی گئی ہیں اور ان حدوں تک پہونچا گیا ہے اور ایسے نکات کو روشناس کرایا گیا اور زیر بحث لایا گیا کہ ان تک

ایک فقیہہ بالغ نظر کی نگاہ ہی پہنچ سکتی ہے۔ حضرت رضا قدس سرہٗ نے ان جزئی مسائل کو اپنی قوت استخراج و طبع وقّادسے ان تمام دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا ہے جو ہمارے فقہائے متقدمین اپنی مختلف تصانیف میں بیان کر چکے ہیں، ان دلائل و براہین کا استقصاء، ان دلائل پر اعتراضات اور ان کے ردّ میں دلائل سنّیہ و براہین قاطعہ کی تخریج کوئی آسان بات نہیں، ارباب علم و فضل جانتے ہیں کہ اس کے لئے صرف دقّتِ نظر ہی درکار نہیں بلکہ وسعتِ معلومات، بصیرت تامّہ اور متون مختلفہ کا استحضار بھی ضروری ہے، بغیر اس کے ان جزئی مسائل پر بحث و تمحیص اور ان مسائل کی تنقیح و تخریج نہیں ہو سکتی۔ میں نے تاریخ فقہ حنفیہ میں جن معتبر و مستند کتابوں کی نشاندہی کی ہے اور اعلحضرت عظیم البرکت نے جن کو بطور صفت براعتِ استہلال اپنے مقدمہ العطایا النبویہ میں بیان فرمایا ہے ان تمام کتب پر حضرت والا کی نظر تھی اور آپ کو اپنے فقہی مسائل کی تائید یا استدلال میں ایسے مقامات کی تلاش، تجسّس اور تفحص کے لئے ان کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ آپ کے لئے بالکل مستحضر تھیں۔ آپ نہایت آسانی سے ان حوالوں کو ترتیم و تحریر کرتے چلے جاتے تھے جو مسئلہ زیر بحث کی تائید و استدلال کے لئے ضروری ہوتے صرف یہی نہیں بلکہ تقلید کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر آپ کی گرانقدر رائے کے اجتہادی پہلو بھی ہمارے سامنے آتے ہیں، آپ فقہائے سلف سے اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن آپ کا یہ اختلاف اُمّت کے حق میں رحمت ہوتا ہے۔ آپ کا اختلاف برائے اختلاف کبھی نہیں ہوتا بلکہ آپ دوسرے فقہائے کرام سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی جس رائے کو پیش فرماتے ہیں اس میں نہایت وزن ہوتا ہے اور آپ کی نگاہِ دور رس اپنے قول اور اپنی رائے کی تائید میں متقدمین میں سے اس کا جزئیہ ہوا تلاش کر لیتی ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس کے لئے جس علمی کمال کی ضرورت ہے وہ ہر ایک کو نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وصفِ خاص حضرت رضا قدس سرہٗ کے فکر دوربین اور نگاہِ دوررس کو عطا فرمایا تھا۔ آپ ایسے مقامات پر بھی اصول فقہ سے سرِ مو انحراف نہ فرماتے بلکہ اس کی پوری پوری پابندی فرماتے! میں فتاویٰ رضویہ سے ایسے چند مقامات بھی پیش کروں تو یہ مضمون تیس چالیس

صفحات کی وسعتوں کا طالب ہوگا اور یہ چند صفحے بالکل ناکافی ہوں گے۔ اس لئے مجبوراً اس تنقیح سے قلم روک رہا ہوں۔ بعض جزئیات فقہی سے اختلاف اور اس جزئی مسئلہ کی اصل فقیہانہ کو پیش کرتے ہوئے آپ نے بعض مسائل کی تصریح میں ان کے استحباب و استحسان میں بھی کلام کیا ہے لیکن ایسے مقامات پر بھی آپ کا ظاہری اجتہاد، اجتہاد ظاہری نہیں ہوتا بلکہ جب آپ قدماً یا متوسطین فقہا کے کلام سے اس کی تائید میں کوئی جزئیہ پیش فرما دیتے ہیں تو وہ آپ کا اجتہاد ذاتی نہیں رہتا بلکہ آپ کی فکر دقیقہ سنج و دقتِ نظر کا وہ ایک شاہکار بن جاتا ہے۔

حضرت رضا قدس سرہٗ جس مسئلہ پر خواہ وہ کوئی کلیہ ہو یا جزئیہ، جب قلم اٹھاتے ہیں تو اس کے ہر ایک پہلو پر بحث کرتے ہوئے اس کے ہر ممکنہ پہلو یا صورت کو پیش فرماتے ہیں اس کے بعد اس کے جواز یا عدم جواز استحسان یا استحباب کا حکم صادر فرماتے ہیں ایسے ہی مقامات پر "فتاویٰ ہندیہ" اور "فتاویٰ رضویہ" کا استدلالی فرق نظر آتا ہے جبکہ صورت یہ ہے کہ فتاویٰ ہند کے فتوے چند فقہاء کی مجلس میں بحث و نظر کے بعد کسی فیصلہ پر منتج ہوتے تھے اور یہاں صرف ایک فرد، ایک طبع وقّاد اور ایک فکر ساطع مسئلہ زیر بحث پر تمام متفق اور مختلف آرا کو پیش کرتی ہے اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیت العلماء میں بیس سے زیادہ علماء کی کوششوں سے کئی سال کی مدت میں مرتب ہونے والا "فتاویٰ ہندیہ" کسی مسئلہ کے ہر ہر پہلو کی تنقیح و تفحص و تصریح اور دلائل و براہین کی وسعتوں تک نہیں پہونچ سکا۔ اس مقام پر پہنچ کر دل تو یہ چاہتا ہے کہ ایک مشترکہ مسئلہ کو پیش کر کے "فتاویٰ ہندیہ" اور "فتاویٰ رضویہ" کے طرز استدلال اور ہمہ جہتی تفحص اور تنقیح کو پیش کروں لیکن مجبور ہوں کہ چند صفحات کی قید سے مقید یہ مضمون اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کو وہ تمام تر بصیرت عطا فرمائی تھی جس کی ایک فقیہہ کے لئے ضرورت ہے یعنی تعمق فکر، جودت طبع اور ذہن رسا کے ساتھ ساتھ علم قرآن علم تفسیر، اصول حدیث و حدیث کا ماہر ہو۔ صرف یہی نہیں کہ ان منقولات پر اس کی بصیرت اس کے

لئے کافی ہوگی بلکہ علوم معقول و نظری پر بھی اس کو کامل دسترس ہو۔ فلسفہ، علم الکلام، منطق، فلکیات طبیعیات، مابعد الطبیعیات اور خلاف وجدل پر بھی اس کو کامل عبور ہو اور دستگاہ کامل رکھتا ہو اس لئے کہ ایک فقیہہ کے پاس مختلف التنوّع اور گوناگوں قسم کے مسائل آتے ہیں اگر وہ ان تمام علوم سے بہرہ ور نہیں تو وہ جواب باصواب دینے سے قاصر رہے گا۔ بس فقہ کی دنیا بہت وسیع ہے اور اس کی قلمرو میں جمیع علوم و فنون داخل ہیں۔

میں اس مختصر مضمون میں اعلیٰحضرت کے تبحر علمی، آپ کی بصیرت، آپ کے ذہن رسا کی رفعت، جودت فکر، قوت استخراج اور قدرت استدلال پر کیا لکھوں؟ علوم منقول اور معقول میں کونسا ایسا علم تھا کہ جس پر آپ کو کامل دستگاہ حاصل نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ آپ کی خدمت میں مسائل متنوعہ ارسال کئے جاتے اور آپ ہر ایک مسئلہ کا محققانہ جواب تحریر فرماتے خواہ اس کا تعلق کسی علوم منقول یا معقول سے ہو وہ فلکیات سے متعلق ہو یا بعد الطبیعیات سے! آپ ہر متعلقہ مسئلہ یا سوال پر ایسی محققانہ بحث فرماتے کہ بس یہی معلوم ہوتا کہ آپ اس علم میں صاحب کمال ہیں اور بس! "فتاوی رضویہ" کے مجلدات ملاحظہ فرمایئے آپ کو مسائل کا یہ تنوع بخوبی نظر آئے گا۔ اسی تنوع کے ساتھ ساتھ ان مسائل کے جواب میں آپ حضرت والا مرتبت کے تبحر کی جھلکیاں بھی دیکھیں گے"۔

فتاوی رضویہ کا انداز تحریر:۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ ہر موضوع کے لئے ایک اسلوب بیان ہوتا ہے، تاریخی واقعات شاعرانہ رنگ میں اور تنقید تاریخی انداز میں اور اسلامیات کو تنقید کے اسلوب اور انداز میں پیش نہیں کیا جا سکتا، موعظت کیلئے اور انداز بیان ہے اور حقائق کے اظہار کے لئے اور!! اگر کوئی اس مسلمہ اصول کے خلاف عمل پیرا ہوگا تو اس کا اسلوب ناقابل قبول اور اثر آفرینی سے خالی ہوگا، تنقید، تاریخ، روایات و قصص کے اردو زبان میں اسالیب معین و مخصوص ہیں۔ تاریخ ادب کی طرح تاریخ فقہ کو بھی اسی اسلوب بیان میں پیش کیا جا سکتا ہے لیکن فقہی مسائل اور اس کے جزئیات کو تاریخ کے جزئی واقعات کے اسلوب میں

بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اعلیحضرت مقتدائے اہلِ سُنّت کا مشہور ترجمہ قرآن پاک موسوم بہ کنزالایمان سلاست زبان، اُردو زبان کے روزمرہ اور محاورات کا ایک گراں بہا سرمایہ ہے، ترجمہ کی سلاست اور روانی مسلّمہ ہے لیکن فقیہانہ استدلال اور فقہی ابحاث اس سادہ اور سلیس اندازِ بیان کے ظرفِ تنگ میں نہیں سما سکتی ہیں اس کے لئے تو فقیہانہ انداز بیان ناگزیر ہے۔ مسائل فقہی کو فقہی زبان میں ہی پیش کرنا پڑتا ہے۔ آپ اگر حضرت قدس سرہٗ کے فقیہانہ اندازِ زبان میں زبان کی یہ چاشنی دیکھنا چاہتے ہیں کہ:۔

حسرتِ نو کا سانحہ سنتے ہی دل بگڑ گیا ایسے مریض کو رضا مرگ جواں سنائی کیوں

تو یہ آپ کی بھول ہوگی۔ لہٰذا حضرت رضا قدس سرہٗ نے مسائل فقہی کے استدلال میں ہی فقیہانہ اسلوب بیان کو اپنایا ہے۔ ہاں جہاں آپ کا بیان یا مسئلہ کا جواب براہین سے مبرہن نہیں وہاں آپ کے بیان کی سادگی اور اندازِ تفہیم سلاست زبان سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ اور جہاں استدلال و براہین یا تائید کلام میں اصول فقہ کے دلائل کو پیش کیا ہے وہاں نہ سلاست بیان کی ضرورت ہے اور نہ آپ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے۔ جب کسی عالم کی طرف سے کوئی سوال پیش کیا جاتا تو حضرت رضا قدس سرہٗ اس کا جواب بھی عالمانہ رنگ میں مرحمت فرماتے اگر وہ عام شخص یا معمولی لیاقت رکھنے والے شخص کی جانب سے ہوتا جس کا اندازہ امرِ مسئولہ اور سائل کی زبان ہی سے ہو جاتا تو حضرت اس کا جواب، سوال کے انداز بیان ہی کے رنگ میں صاف، سادہ اسلوب میں مرحمت فرماتے، اسی طرح آپ سوال کی زبان کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اگر سوال اردو میں کیا گیا ہے تو جواب بھی اُردو میں دیا گیا ہے اور اگر سوال عربی زبان میں ہے تو اس کا جواب بھی عربی زبان میں دیا گیا ہے اور اگر سائل نے فارسی زبان میں مسئلہ دریافت کیا ہے تو حضرت رضا قدس سرہٗ نے اس کا جواب بھی فارسی زبان میں مرحمت فرمایا ہے کہ حضرت والا مرتبت ان تمام زبانوں پر کامل عبور رکھتے تھے، فتاویٰ رضویہ میں زبانوں کی یہ رنگارنگی اور تنوع آپ کو بہت واضح طور پر ملے گا۔

ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ حضرت رضا قدس سرہٗ کے عہد مسعود میں برصغیر پاک و ہند کی عام زبان اُردو تھی۔ آپ کی خدمت سامی میں اسی زبان میں مسائل شرعیہ پر مبنی سوالات بھیجے جاتے تھے اور پھر آپ کے زبان کی سلاست اور روانی میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی، البتہ جہاں فقہی استدلال اور تائید بیان کیلئے ضرورتاً آپ کو کوئی فقہی متن پیش کرنا ہوتا تھا تو آپ فہم سائل کے لئے اس متن کا ترجمہ بھی رقم فرمادیا کرتے تھے۔

لیکن جہاں عالمانہ مسائل بیان فرماتے اور آپ سمجھتے کہ سائل یا میرا مخاطب صاحبِ علم و فضل ہے لیکن سوال اُردو میں ہوتا تو آپ کے جواب میں بھی عالمانہ رنگ پیدا ہو جاتا تھا اور آپ متونِ فقہی کا ترجمہ اُردو میں پیش کرنا ضروری خیال نہیں فرماتے تھے۔

اکثر علمائے اہلِ سُنّت نے عربی زبان میں آپ سے کسی مسئلہ میں استفسار کیا تو اس کا جواب آپ نے نہایت شستہ، شگفتہ اور اکثر مقامات پر مسجّع اور مقفّٰی عربی میں دیا۔ آپ نے شکوہِ الفاظ سے زبان یا طرزِ ادا کو کبھی ژولیدہ نہیں بنایا۔ اُردو کی طرح آپ کی عربی زبان کا طرزِ ادا بھی بہت دلکش اور سلجھا ہوا ہے اور ایک اہلِ زبان کی طرح نہایت رواں اور دلکش اسلوب میں تصنع سے عاری عربی میں جوابات تحریر فرمائے ہیں اُردو زبان کی طرح آپ کی عربی عبارات یعنی طرزِ ادا میں ایک بیساختگی ہے اور استدلال میں وہی قوت بیان ہے جو اُردو زبان میں آپ کے یہاں موجود ہے۔

یہ تھیں وہ چند خصوصیات جن کے باعث، "فتاویٰ رضویہ" اہلِ سُنّت کے لئے سرمایۂ عقیدت ہی نہیں بلکہ عبادات و معتقدات میں آئے دن پیش آنے والے ہزاروں مسائل کے جوابات پر مبنی ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ الحمد للہ کہ "فتاویٰ رضویہ" اہلِ سنّت کے لئے سرمایۂ نازش و افتخار ہے اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس پر نازاں ہے۔ کاش "فتاویٰ رضویہ" کی تمام جلدیں پاکستان میں شائع ہوں اور شایانِ شان طریقہ پر!! اس وقت جو فتاویٰ رضویہ دستیاب ہے اس میں خط نسخ کی کتابت اچھی نہیں ہے۔ اسی طرح خط نستعلیق بھی اعلیٰ نہیں۔ صحت کا لحاظ نہیں

کیا گیا ہے۔ اکثر و بیشتر مسائل کی توضیح و تنقیح میں متعدد فقہی کتب کے حوالے اور ان کے متون پیش کئے گئے ہیں لیکن ان کا ترجمہ نہیں ہے کیا، اچھا ہو کہ "فتاوی رضویہ" کی آئندہ طباعت میں ایسے مقامات پر ان عبارات کے ترجموں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ خواہ متن فتویٰ میں یا حاشیہ پر۔ تاکہ اس دور کے کم سواد مسلمان بھی اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

بندۂ ناچیز
شمس بریلوی

نمونہ کلام فارسی

زعکست ماہِ تاباں آفریدند | زبوئے گلستاں آفریدند
صبا را مست از بوئیت بہر سو | چناں افتاں و خیزاں آفریدند
برائے جلوۂ یک گلبن ناز | ہزاراں باغ و بستاں آفریدند
ز مہر تو مثالے بر گرفتند | ذراں مہر سلیماں آفریدند
چو انگشت تو شد جولاں دہ برق | قمر را بہر قرباں آفریدند
ز لعل نوشخند جاں فزایت | زلال آب حیواں آفریدند
نہ غیر کبریا جاں آفرینے | نہ خود مثل تو جاناں آفریدند
پئے نظارۂ محبوب لاہوت | جبینت آئینہ ساں آفریدند
بنا کردند تا قصر رسالت | ترا شمع شبستاں آفریدند
ز مہر و چرخ بہر خوان جودت | عجب قرص نمکداں آفریدند

زحسنت تا بہار تازۂ گل
رضایت را غزل خواں آفریدند

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا
اور
علوم جدیدہ و قدیمہ

امام احمد رضا[1] نے علوم عقلیہ کی ابتدائی تحصیل بعض اساتذہ سے کی مثلاً مولانا محمد نقی علی خان، ابوالحسین احمد النوری، مرزا عبدالعلی رام پوری اور مرزا غلام قادر بیگ وغیرہ مگر ان علوم میں اپنی خداداد صلاحیت سے کمال حاصل کیا انہوں نے خود لکھا ہے کہ جب ریاضی اور جیومیٹری وغیرہ کی تحصیل شروع کی تو ان کی فطری ذکاوت کو دیکھ کر ان کے والد مولانا محمد نقی علی خان نے کہا:۔

تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حاصل کر لو گے۔[2]

---

[1] بانی مدرسہ درسیہ (کراچی) مولانا محمد عبدالکریم درس (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے امام احمد رضا کے سال وصال کا مادۂ تاریخ "مقبول حق احمد رضا" (۱۳۴۰ھ) نکالا ہے۔

نوٹ:۔ امام احمد رضا کے حالات و افکار کے لئے راقم کا مقالہ "احمد رضا خاں بریلوی" مطالعہ کریں یہ مقالہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے جریدے ماہنامہ "فکر و نظر" کے مندرجہ ذیل شماروں میں شائع ہوا ہے۔

اپریل ۱۹۸۰ء، مئی ۱۹۸۰ء، جون ۱۹۸۰ء

مزید تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل ماخذ سے رجوع کریں:۔

(۱) فیاض محمود: تاریخ ادبیات مسلمانان ہند و پاکستان۔ ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء)

(بقیہ نوٹ اگلے صفحے پر)

چنانچہ ایسا ہی ہوا نہ صرف یہ کہ ان علوم کو حاصل کیا بلکہ ان علوم میں مختلف تصانیف اور حواشی لکھے، خود لکھتے ہیں :-

حسب ارشاد سامی بعونہٖ تعالیٰ فقیر نے حساب وجبر و مقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت وقدیمہ وہیئت جدیدہ وزیجات وارثماطیقی وغیرہا من تصنیفات وتحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کئے تحدیثاً بنعمۃ اللہ تعالیٰ[۲]

اس پس منظر میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے یہ ریمارکس قابل توجہ ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں قیام شملہ (بھارت) کے زمانے میں مولانا محمد حسین میرٹھی نے جب ان سے امام احمد رضا سے ملاقات کی تفصیلات

(ب) محمد مسعود احمد: مقالہ "رضا بریلوی"، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد دہم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

(ج) محمد یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۷۷ء۔

(د) المیزان (امام احمد رضا نمبر) بمبئی، مارچ ۱۹۷۶ء

(ہ) انوار رضا، شرکت حنفیہ لمیٹڈ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

(و) شجاعت علی قادری: مجدد الامۃ (عربی)، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

(ز) محمد مسعود احمد: عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء

(ح) محمد برہان الحق: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

۱؎ احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۴ء، ص ۶

۲؎ احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۶۔

دریافت کیں تو انہوں نے جواب دیا:-

ان کو علم لدنی حاصل تھا، میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا الیسانی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں ہے[۴]

غالباً اسی تاثر کی وجہ سے ملاقات کے فوراً بعد انہوں نے پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) سے کہا:-

صحیح معنی میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔[۵]

جامعہ ازہر (مصر) کے پروفیسر محی الدین الوائی[۶]، کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر باربرا مٹکاف[۷]، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد، پاکستان) کے پروفیسر ابرار حسین صاحب[۸] وغیرہ نے علوم عقلیہ میں امام احمد رضا کی حیرت انگیز ذکاوت کا ذکر کیا ہے اور سراہا ہے۔

امام احمد رضا نے علوم عقلیہ جدید و قدیمہ میں مستقل تصانیف چھوڑی ہیں اور علوم نقلیہ سے متعلق تصانیف میں بہت سے عقلی مباحث ہیں جن کو پڑھ کر اہل علم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ امام احمد رضا کی عربی تصنیف الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) کو پڑھ کر پروفیسر ابرار حسین نے

---

[۴] ظفر الدین بہاری: حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵

[۵] محمد برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

[۶] مقالہ مطبوعہ صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء

[۷] باربرا مٹکاف: ہندوستان میں مسلم مذہبی قیادت اور علماء مصلحین (۱۸۶۰ء-۱۹۰۰ء) برکلے ۱۹۸۲ء، ص ۳۵

[۸] ابرار حسین، مکتوب بنام راقم الحروف مکتوبہ ۱۹ را پریل ۱۹۸۰ء

اِن خیالات کا اظہار کیا:-

اعلیٰ حضرت بہت بلند پایہ کے ریاضی داں تھے۔ الدولۃ المکیہ پڑھنے سے (جو میری سمجھ سے بہت بلند ہے) اس کی تصدیق ہوئی کیوں کہ انہوں نے وہاں کچھ دلائل ریاضی کے نظریات پر مبنی دیئے ہیں اور یہ نظریات وہ ہیں جو آج کل TOPOLOGY کے زمرے میں آتے ہیں۔[۹]

ایم حسن بہاری نے ایک مقالہ بعنوان امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں لکھا ہے جس میں علوم جدیدہ میں امام احمد رضا کے تبحّر پر بحث کی ہے اور فتاویٰ رضویہ (جلد اول) کے بعض مضامین سے علم ریاضی، علم کیمیا، اور علم فلکیات میں امام احمد رضا کی بصیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔[۱۰]

اسی طرح شبیر حسن بستوی نے اپنے مقالے امام احمد رضا بحیثیت منطقی، فلسفی میں ATOM کے بارے میں امام احمد رضا کے نظریات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[۱۱]

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ پایا قرآن کریم اور فضل الٰہی سے پایا، وہ قرآنی یقینیات وبدیہیات کو سائنسی ظنیات پر فوقیت نہ دیتے تھے کیوں کہ سائنسی

---

۹ ابرار حسین، مکتوب بنام راقم الحروف مکتوبہ ۱۹ اپریل ۱۹۸۰ء

۱۰ المیزان (بمبئی) امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۲۹۱

۱۱ ایضاً، ص ۲۹۸ - ۳۰۱

نظریات ترقی پذیر ہیں جو ترقی پذیر رہے وہ مکمل تھیں اور قرآنی نظریات مکمل ہیں ۔
نامکمل کو مکمل کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے ، مکمل کو نامکمل کی روشنی میں نہیں ،
قرآن کریم نے فکر انسانی کا رُخ موڑ دیا اور دیکھتے دیکھتے ایک عظیم انقلاب آ گیا —
ذہنوں میں انقلاب ، روحوں میں انقلاب — مشہور صحابی حضرت معاویہ
کے پوتے خالد بن یزید کے شاگرد ، جابر بن حیّان غالباً اسلام کے پہلے سائنسدان
تھے جنہوں نے ایک کیمیائی لیبارٹری قائم کی — تاریخ کے مطالعے سے مسلمان
مفکرین و سائنس دانوں کا ایک شاندار سلسلہ نظر آتا ہے مثلاً ۔

(۱) دنیائے اسلام کا ایک عظیم طبیب الرازی (۸۶۵ء تا ۹۲۵ء) جس نے ۲۰۰ کتابیں لکھیں ۔

(۲) الخوارزمی (۸۳۵ء یا ۸۴۴ء) جس نے جبر و مقابلہ پر اہم کتابیں لکھیں ۔

(۳) الفارابی (م ۹۵۱ء) جس نے طبیعیات پر اہم کتابیں لکھیں ۔

(۴) المسعودی (م ۹۵۷ء) جس نے نظریۂ ارتقا کے مبادیات پیش کئے ۔

(۵) ابو علی ابن الہیثم (م ۹۶۵ء) علم بصریات کا ماہر جس نے ریاضیات و طبیعیات پر بہت سی کتابیں لکھیں ۔

(۶) مشہور طبیب ، ماہر فلکیات ، ریاضی داں ، جغرافیہ داں اور عالم طبیعیات ابو ریحان البیرونی (م ۱۰۴۸ء) جس کی تصنیف کتاب الہند شہرۂ آفاق ہے ۔

(۷) عالم اسلام کا مشہور طبیب اور فلسفی ابو علی ابن سینا (م ۱۰۳۷ء) جس کی تصانیف میں القانون اور الشفا مغربی دانش گاہوں میں صدیوں داخل نصاب رہیں ۔

(۸) مشہور شاعر اور ریاضی داں عمر خیام (م ۱۱۲۳ء) جو علم و فضل میں یونانیوں پر سبقت لے گیا ۔

(۹) ابن رشد (م ۱۱۹۸ء) جس نے طب پر ۱۶ کتابیں لکھیں ۔

(۱۰) محمد الدمیری (م ۸۰۷، ۱۴۰۵ء) حیاتیات پر جس کی کتاب حیاۃ الحیوان سب سے مشہور ہے[۱۲] ——— امام احمد رضا مشاہیر اسلام کے اس شاندار سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ وہ ان مشاہیر سے کسی طرح کم نہیں، اگر ان کے افکار تازہ پر تحقیقات کی جائے تو وہ بہت سے مشاہیر سے آگے نظر آئیں گے۔

ایجاد و اختراع کا دار و مدار فکر و خیال پر ہے، خیال کو اساسی حیثیت حاصل ہے، قرآن کریم میں خیالوں کی ایک دنیا آباد ہے اور عالم یہ ہے ع

مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا!

ہر خیال اپنے دامن میں صدیوں کے تجربات و مشاہدات سمیٹے ہوئے ہے، جس نے قرآن کی بات مانی اس نے مختصر زندگی میں صدیوں کی کمائی کمالی۔ امام احمد رضا انہیں سعادت مندوں میں سے تھے جنہوں نے سب کچھ قرآن سے پایا، وہ قرآن کا زندہ معجزہ تھے ——— اللہ تعالیٰ نے اُن کو علم لدنی اور فیض سماوی سے نوازا تھا، جس کی روشنی میں وہ لاینحل مسئلے حل کر لیا کرتے تھے[۱۳]۔

چنانچہ ایک جگہ بطور تحدیث نعمت لکھتے ہیں:-

---

[۱۲] مزید تفصیلات کے لئے تامس آرنلڈ اور الفرڈ گیام کی تالیف "میراث اسلام" (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء) مطالعہ کریں۔

[۱۳] احمد رضا: حاشیہ مخطوطہ الدر المکنون (مخزونہ مولانا خالد علی خاں، دار العلوم مظہر الاسلام بریلی) ص

نوٹ:- مولانا خالد علی خاں کے کتب خانے کے مخطوطات سے محترم سید ریاست علی قادری سیلز منیجر۔ ٹی۔ آئی۔ پی، کراچی کی وساطت سے استفادہ کیا گیا۔ موصوف ۱۹۷۹ء میں تقریباً چالیس قلمی حواشی بریلی سے لائے تھے۔ ان مخطوطات کے عکس شیخ صبور احمد (ڈائریکٹر کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی) کی عنایت سے راقم کو ملے۔

اس ضروری مسئلہ دینی پر کلام بحمد اللہ تعالیٰ کتاب کے خواص سے ہے اور ایک یہی کیا بفضلہ تعالیٰ اس ساری کتاب میں محدود مباحث کے سوا عام ابحاث وہی ہیں کہ فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائز ہوئی ہیں اور ایک یہی کتاب نہیں بعونہٖ عزوجل فقیر کی عامّہ تصنیفات افکار تازہ سے مملو ہوتی ہیں حتیٰ کہ فقہ میں جہاں مقلدین کو ابدائے احکام میں مجال دم زدن نہیں۔ تحدثاً بنعمۃ اللہ تعالیٰ واللہ ذو الفضل العظیم [4]

امام احمد رضا کی تصنیفات و تالیفات اور حواشی کے مطالعہ سے ان کے قول کی تصدیق ہوتی ہے ـــــ چنانچہ حاشیہ رسالہ لوگارثم (قلمی) اور حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی (قلمی) وغیرہ میں انہوں نے SPHERICAL TRIGONOMETRY اور LOGARITHM میں اپنی تحقیقات پیش کی ہیں [5] ـــــ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اصلاحات وضع کیں اور قواعد ایجاد کئے [6] امام احمد رضا خاں نے اپنی علمی بصیرت کی بنا پر بڑے بڑے فلاسفہ اور

---

[4] احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۵۵

[5] (ا) احمد رضا: حاشیہ رسالہ لوگارثم (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) قلمی، ص ۲۲

(ب) احمد رضا: حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی، قلمی (مخزونہ مولانا حامد علی خاں، دار العلوم مظہر اسلام، بریلی)، ص ۴

(ج) احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی، قلمی (ایضاً) ص ۱

[6] (ا) احمد رضا: حاشیہ تحریر اقلیدس، قلمی (ایضاً) ص ۳۱

(ب) احمد رضا: حاشیہ بہادر خانی، قلمی (ایضاً) ص ۳

سائنسدانوں پر تنقید کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تحقیق پر کتنا اعتماد تھا اور وہ فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ میں کتنی مہارت رکھتے تھے چنانچہ جامع بہادر خانی کے ایک مسئلے پر ۱۳۱۲ھ اور ۱۸۹۴ء میں اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بنا پر تنقید کی ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں نظری و عملی دلائل پیش کئے ہیں[۱۷] ——— ایک جگہ مصنف جامع بہادر خانی کی تغلیط کرتے ہوئے اعتماد سے لکھتے ہیں:

واقول ایں بدیہی البطلان و خطاے واضح ست[۱۸]

اسی طرح اپنے رسالے فوز مبین در حرکت زمین (مشمولہ ماہنامہ الرضا) میں صاحب حدائق النجوم[۱۹] پر سخت تنقید کی ہے، مندرجہ ذیل تنقیدات ملاحظہ فرمائیں:۔

(ا) دائرۃ البروج کی تعریف کہ حدائق میں کی، باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا[۲۰]

(ب) اصول الہیأۃ کی تعریف اوس سے باطل تر ہے کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا[۲۱]

(ج) حدائق نے سنی سنائی، اپنی ہوشیاری سے سب دوائر کو ایک مقعر سماوی پر لیا

---

[۱۷] احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی، قلمی (ایضاً) ص ۷

[۱۸] احمد رضا خاں: جامع بہادر خانی، قلمی، ص ۴

[۱۹] حدائق النجوم، راجہ رتن سنگھ بہادر ہشیار جنگ زخمی کی تصنیف ہے، اس کا ایک مطبوعہ نسخہ (مطبع محمدی لکھنؤ ۱۸۳۱ء) کتب خانہ خاص (انجمن ترقی اردو کراچی) میں محفوظ ہے۔ اس کی تین جلدیں ہیں جن کی یہ تفصیل ہے:۔

(ا) جلد اول، صفحہ ۱ تا ۳۸۶ (ب) جلد دوم، صفحہ ۳۸۷ تا ۷۷۰

(ج) جلد سوم، صفحہ ۷۷۱ تا ۱۱۵۸۔

[۲۰ تا ۲۱] ماہنامہ الرضا (بریلی) شمارہ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء، ص ۴۵

جس کا مرکز، مرکز زمین ہے ــــــ مگر بھولا کہ تمہارے نزدیک وہ مدار زمین ہے یا مقعر فلک پر اوس کا موازی ــــــ بہر حال اوس کا مرکز مرکز مدار ہے ــــــ مرکز مدار زمین ــــــ مرکز زمین ہونا کیسی صریح جنون کی بات ہے[٢٢]

اسی طرح صاحب شمس بازغہ ملا محمد جونپوری (م ١٠٦٢ھ / ١٦٥٢ء) کے بعض خیالات پر سخت تنقید کی ہے[٢٣] ــــــ حکمۃ العین (مصنفہ نجم الدین علی بن محمد القزوینی م ٦٧٥ھ) اور شرح حکمۃ العین (مصنفہ شمس الدین محمد بن مبارک میرک بخاری) کے بعض مندرجات کو مہمل قرار دیا[٢٤] ــــــ اور تو اور شیخ ابو علی سینا[٢٥] کے بعض خیالات پر بھی شدید تنقید کی چنانچہ مسئلہ گردش زمین پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

---

٢٢ ماہنامہ الرضا (بریلی)، شمارہ ذو الحجہ ١٣٣٨ھ / ١٩١٩ء ص ٤٥

٢٣ میر باقر داماد استرآبادی (م ١٠٤١ھ / ١٦٣٤ء) کی تصنیف الافق المبین کے جواب میں ملا محمد جونپوری نے خود اپنی کتاب الحکمۃ البالغہ کی شرح شمس البازغہ کے نام سے لکھی۔ مسعود۔

٢٤ احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ١٩، حاشیہ ص ٨

٢٥ ایضاً ص ٤٥

٢٦ ابن سینا ٣٧٠ھ / ٩٨٠ء میں پیدا ہوا اور ۴ رمضان المبارک ٤٢٨ھ / ٢١ جون ١٠٣٧ء میں ہمدان (ایران) میں انتقال کیا۔ اسلام کا مشہور دانشور جو ریاضی، فقہ، ادب، ہندسہ، ہیأۃ، فلسفہ، طب وغیرہ پر عبور رکھتا تھا، اس نے ١٧، ١٦ برس کی عمر میں شاہ بخارا کا علاج کیا اور کتب خانۂ شاہی کا انچارج ہوا۔ طب میں القانون، منطق و فلسفہ میں الشفا، طبیعیات میں تسع رسائل اور ہندسہ میں ترجمۂ اقلیدس اس سے یادگار ہیں۔ مسعود

دلیل پنجم، اس سے بڑھ کر فلک ثوابت وجملہ ممثلات کا بہ تبعیت فلک الافلاک حرکت یومیہ کرنا ـــــــ اور یہاں جو ابن سینا نے فرضیت کی وجہ گڑھی بالکل شیخ چلی کی کہانی ہے کما بیناہ فی کتابنا الفوز المبین[27]

پروفیسر حاکم علی مرحوم (پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور) نے سائنس کے جدید نظریات کے سلسلے میں بذریعہ مراسلت امام احمد رضا سے تبادلۂ خیال کیا۔ امام احمد رضا نے پروفیسر صاحب کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ان کو ہدایت و نصیحت کی:۔

بہ نگاہ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھیئے، اگر حق پایئے تو ابن سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں[28]

امام احمد رضا نے اپنے خیالات و نظریات کو بڑی جرأت کے ساتھ پیش کیا ہے اگر کسی محترم شخصیت سے بھی اختلاف ہے تو اس کا برملا اظہار کر دیا ہے مگر ادب و احترام کے ساتھ۔ چنانچہ حضرت امام غزالی کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ کی ایک عبارت سے اختلاف کرتے لکھتے ہیں:۔

اقول امام کی شان بالا ہے، فقیر کو یہاں تامل ہے، شک نہیں کہ اجزاء اگرچہ بالفعل نہیں، ان کے مناشی انتزاع موجود ہیں اور ان میں ہر ایک کی طرف اشارۂ حسیہ جدا ہے اور یہی امتیاز ان کے لئے امتیاز اوضاع کا ضامن ہے اور یہ امتیاز قطعاً واقع ہے، اعتبار کا تابع نہیں[29]

امام احمد رضا نے جدید و قدیم نظریات کے مقابلے میں اپنے نظریات پیش کئے ہیں

---

[27] احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۲

[28] احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۷

[29] احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۳۸

جن میں بعض جدید نظریات سے ہم آہنگ ہیں گو نصف صدی قبل وہ نامعقول نظر آتے ہوں کیوں کہ وہ زمانہ جدید سائنس سے مغلوبیت اور مرعوبیت کا زمانہ تھا، علوم جدیدہ کے رعب نے دماغ کو ماؤف اور فکر کو مسلوب کر دیا تھا اور ناقص کو کامل پر فوقیت دی جا رہی تھی ——— امام احمد رضا نے خرق والتیام، خلا، زمانہ اور ایٹم وغیرہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور جدید سائنسدانوں پر تنقید کی ہے مثلاً آئزک نیوٹن، البرٹ آئین اسٹائن، البرٹ ایف، پورٹا وغیرہ۔

خرق والتیام کے بارے میں قدیم فلاسفہ کے علی الرغم امام احمد رضا کا خیال ہے :-

فلک پر خرق والتیام جائز ہے[30]

زمانے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم چاہتے ہیں کہ بتوفیقہ تعالیٰ اس مزلہ مضلہ کی بیخ کنی کر دیں جس پر آج تک متفلسفہ کو ناز ہے وہ یہ کہ زمانہ اگر حادث ہو تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوا اور شک نہیں کہ یہاں قبل و بعد کا اجتماع محال ہے تو قبلیت نہ ہوئی مگر زمانی، تو زمانے سے پہلے زمانہ لازم ——— مواقف[31] و مقاصد[32] و تجرید طوسی[33] و طوالع الانوار[34] و بیضاوی[35] و شرح علامہ سید شریف

---

[30] احمد رضا :- الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۷

[31] المواقف، مصنفہ عبدالرحمٰن بن احمد الایجی، متوفی ۷۵۶ھ

[32] المقاصد، مصنفہ سعد الدین مسعود بن محمد تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ

[33] تجرید، مصنفہ نصیر الدین بن جعفر بن محمد طوسی، متوفی ۶۷۲ھ

[34] طوالع الانوار، مصنفہ عبداللہ بن عمر بیضاوی۔ متوفی ۶۸۵ھ

[35] بیضاوی، مصنفہ ایضاً

وعلامہ تفتازانی وفاضل خوشجی وشمس اصفہانی وشرح دیگر طوالع منسوب بہ تفتازانی وتہافۃ الفلاسفہ الامام حجۃ الاسلام وللعلامہ خواجہ زادہ میں اس کے متعدد جواب دیئے گئے جن میں فقیر کو کلام ہے [٣٦]

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے موقف کی تائید میں ٦ صفحات پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ زمانہ حادث ہے۔

ایک جگہ "خلا" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فلسفۂ قدیم خلاء کو محال مانتا ہے، ہمارے نزدیک وہ ممکن ہے" [٣٧]

اور ایٹم کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: [٣٨]

---

[٣٦] احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ٤٧

[٣٧] ماہنامہ الرضا (بریلی) شمارہ ذلقعدہ ١٣٣٨ھ / ١٩١٩ء، ص ٣٩

[٣٨] تقریباً ٤٠٠ قبل مسیح مشہور یونانی فلسفی دیمقراطیس (DEMOCRITUS) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے، جب یہ ملتے ہیں تو صورت نکلتی ہے اس نے یہ بھی کہا کہ ان اجزاء کو تقسیم کرتے چلے جائیں تو ایک ایسا مرحلہ بھی آئے گا کہ مزید ٹکڑے کرنا ناممکن ہوگا۔ اس سے جزلاتیجزی (ایٹم) کا نظریہ ابھرا یونانی زبان میں ATOM کے معنی ہی — "ناقابل تقسیم" کے ہیں۔

١٨٩٨ء جے۔ جے ٹامس (J.J. THOMAS) نے اس کے خلاف نظریہ پیش کیا اور کہا کہ ایٹم توڑا جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا کا یہی عہد تھا۔ پھر یہی نظریہ ١٩١١ء میں ردرفورڈ (RUTHER FORD) نے اس خیال کو توسیع دی اور کہا کہ ایٹم کا ایک مرکز ہے جس کو نیوک لس (NEUCLEUS) سے تعبیر کیا، اس میں نیوٹرون (NEUTRON) اور پروٹون (PROTON) موجود ہیں اور الیکٹرون (ELECTRON) نیوک لس کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ١٩١٣ء میں (بقیہ نوٹ اگلے صفحے)

جزء لایتجزیٰ ممکن بلکہ واقع اور اس سے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکب ہوئے ہیں کچھ محذور نہیں، مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن کہ موجب اتصال دو جزء ہے اور حجم حسّی جس طرح ہم نے ثابت کیا یونہیں تماس حسّی ماننا مشکل[39]

آئزک نیوٹن کے بارے میں پہلے لکھتے ہیں:

نیوٹن نے لکھا ہے کہ اگر زمین کو اتنا دبائے کہ مسام بالکل نہ رہے تو اس کی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی[41]

نیل بوہر (NILLI BOHR) نے کہا کہ الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون ایٹم کے حصے ہیں اور محور تبدیل کرتے وقت طاقت خارج کرتے ہیں۔ مسعود

[39] احمد رضا: الکلمۃ الملہمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۳۷۔

[40] نیوٹن ایک غریب کسان کا لڑکا تھا، لندن سے ۱۰۰ کلومیٹر دور ایک گاؤں WOOLSTHORPE میں ۲۵ دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ۱۲ سال اسی گاؤں میں رہا اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، ۱۶۶۱ء میں کنگ اسکول سے میٹرک کیا۔ ۱۶۷۲ء میں رائل سوسائٹی کا رکن منتخب ہوا۔ اور ۱۷۰۳ء میں صدر۔ وہ ٹکسال کا ناظم اعلیٰ بھی رہا۔ ۱۷۰۵ء میں ملکہ این (ANNE) نے "سر" کا خطاب دیا۔ ۱۶۶۵ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے اور ۱۶۶۹ء میں ریاضی میں ایم اے کیا۔

نیوٹن نے ۲۳ برس کی عمر میں ۱۶۶۵ء میں "نظریہ کشش ثقل" پیش کیا، سیاروں کے بیضوی محور کو دریافت کیا، تین اساسی اصول حرکت دریافت کئے، اختلاف رنگ اور انتشار نور کا باہمی تعلق دریافت کیا، یہ بتایا کہ سفید رنگ، سات رنگ کی شعاعوں کا مجموعہ ہے۔ آواز کی رفتار دریافت کی اور عکس انداز دوربین ایجاد کی (DIFFERENTIAL CALCULAS) سے متعارف کرایا اور (BIONOMIAL THEOREM) ایجاد کی۔ (بقیہ نوٹ اگلے صفحے پر)

اس قول پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اہلِ انصاف دیکھیں سردار ہیاۃ جدیدہ نیوٹن نے کیسی صریح خارج از عقل بات کہی ہے[۴۲]

اس کے بعد علمی بحث کی ہے اور پانچ دلیلوں سے نیوٹن کے خیال کی تردید کی ہے۔

مشہور سائنس داں پروفیسر البرٹ آئین اسٹائن[۴۳] امام احمد رضا کے معاصرین میں تھا۔ امام احمد رضا نے اپنی تصانیف میں اس کے نظریات پر تنقید کی ہے[۴۴]

دوسرا امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف، پورٹا تھا[۴۵] یہ بھی امام احمد رضا کا معاصر تھا۔

(بقیہ نوٹ) ۲۰ رمارچ ۱۷۲۷ء کو ۸۵ سال کی عمر میں نیوٹن کا انتقال ہوا اور لندن کے ویسٹ منسٹر گرجا میں رکھا گیا۔ —— نیوٹن سے دو کتابیں یادگار ہیں:۔

(۱) الاصول (PRINCIPIA) مؤلفہ ۱۶۸۵ء–۶ء اور (۲) النور (OPTICS)

۴۲ ماہنامہ الرضا (بریلی) شمارہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء ص ۳۹۔

۴۲ ایضاً، ص ۳۰

۴۳ آئین اسٹائن (EINSTEIN) ۱۴ر مارچ ۱۸۷۹ء کو مغربی جرمنی کے مقام اولم میں پیدا ہوا۔ جب جرمنی سے نکلنا پڑا تو امریکہ چلا گیا اور پرنسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر ریاضیات مقرر ہوا۔ امریکہ میں جوہری توانائی کی تحقیقات کا کام اسی کے کہنے پر شروع کیا گیا۔ اس نے طبعیات میں گراں قدر دریافتیں کیں اور نظریۂ اضافیت پیش کیا۔ ۱۹۵۶ء میں امریکہ میں اس کا انتقال ہوا۔

۴۴ احمد رضا، معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۹۱۹ء) قلمی، ص ۱۴

۴۵ پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ (بقیہ نوٹ اگلے صفحہ)

پروفیسر موصوف نے ایک ہولناک پیش گوئی کی جس سے دنیا کے بعض علاقوں میں دہشت و سراسیمگی پھیل گئی۔ اس پیشگوئی کے مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بعض سیاروں کے جمع ہونے اور ان کی کشش سے آفتاب میں ایک بڑا گھاؤ نمودار ہوتا جس کے نتیجے میں دنیا میں قیامتِ صغریٰ برپا ہوتی، آندھیاں طوفان اور زلزلے آتے اور دنیا کے بعض علاقے صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے۔ یہ پیش گوئی بانکی پور (بھارت) کے انگریزی اخبار ایکسپریس کے ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور پاک و ہند میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا سے رجوع کیا گیا کیوں کہ وہ اپنے وقت کے فقیہہ ہی نہیں ایک عظیم ہیئت داں بھی تھے۔ امام احمد رضا کو اخبار کا تراشہ پیش کیا گیا اور ان کی رائے لی گئی۔ جواباً انہوں نے مکتوب منہ مولانا ظفر الدین بہاری کو لکھا:-

> آپ کا پرچہ اخبار آیا، نواب صاحب نے ترجمہ کیا، کسی عجیب بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا، سراپا اغلاط سے مملو ہے[۲۷]
> (محررہ ۱۴/صفر ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء)

(بقیہ نوٹ) یہ مشیگن یونیورسٹی (امریکہ) سے متعلق رہا۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ ٹیورن یونیورسٹی (اٹلی) میں پروفیسر رہا۔ بہرحال یہ سان فرانسسکو (امریکہ) کے ماہر نواقب (METEOROLOGIST) کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

تفصیلات کے لئے مطالعہ کریں نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۶، ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء۔ مسعود

۲۶ نواب صاحب سے مراد نواب وزیر احمد خاں صاحب ہیں۔ مسعود

۲۷ ظفر الدین بہاری: حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹۰

امام احمد رضا نے البرٹ۔ ایف پورٹا کے جواب میں ایک محققانہ رسالہ لکھا جس کا تاریخی نام معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) رکھا[48]

اس رسالے میں امام احمد رضا نے پورٹا کے بیان پر ۱۷ مواخذات کئے ہیں اور علم ہیئت سے متعلق فاضلانہ بحث کی ہے، آخر میں لکھا ہے :-

بیان منجم پر اور مواخذات بھی ہیں مگر ۱۷ دسمبر کے لئے ۱۷ ہی پر اکتفا کرتا ہوں و اللہ تعالیٰ اعلم[49]

رسالہ معین مبین پہلے پہل ماہنامہ الرضا (بریلی) کے دو شماروں (صفر و ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) میں شائع ہوا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ اُردو میں ہونے کی وجہ سے عالمی پیمانے پر متعارف نہ ہو سکا اور لوگ امام احمد رضا کے افکار سے باخبر نہ ہو سکے ورنہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو دنیا کے مختلف علاقوں میں جو دہشت پھیلی تھی نہ پھیلتی ــــــ اخبار نیویارک ٹائمز (امریکہ) کے ۱۶ اور ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کے شماروں[50] کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیرس میں ہزاروں لوگ دہشت کے مارے گرجا گھروں میں گئے اور گڑگڑا کر دعائیں کیں[51]۔

---

[48] اس رسالے کا مخطوط جامعہ راشدیہ (پیر گوٹھ، سندھ) کے شیخ الجامعہ مولانا تقدس علی خان صاحب کے پاس محفوظ ہے جس کا عکس محترم سید ریاست علی قادری صاحب (سیلز منیجر پی۔ آئی۔ اے۔ کراچی) کی عنایت سے ملا۔ اب یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کر دیا ہے نیز اخبار جنگ (کراچی) شمارہ جنوری ۱۹۸۰ء اور اخبار افق (کراچی) شمارہ ۲۲ جنوری ۱۹۸۰ء میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

[49] احمد رضا: معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) قلمی، ص ۱۸

[50] کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف کی عنایت سے ان شماروں کے تراشے ملے، راقم ان کا ممنون ہے۔ مسعود

[51] نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء

—— طلبہ نے اسکولوں سے چھٹیاں لے لیں[۵۲]، ایک جگہ سائرن اور گھنٹیاں بجنے لگیں اور شہر والے سہم کر رہ گئے[۵۳] الغرض ہر طرف موت کے سائے منڈلا رہے تھے مگر جب ۱۷ دسمبر کا آفتاب غروب ہوا تو پروفیسر البرٹ پورٹا کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور احمد رضا نے جو کچھ کہا تھا حق ثابت ہوا۔ دنیا کے سارے ہیئت داں پورٹا سے متفق تھے اور ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو دوربینوں سے مشاہدۂ سماوی میں مصروف قیامتِ صغریٰ کے منتظر تھے مگر بالآخر ان کی نگاہیں نامراد لوٹیں —— ضرورت ہے کہ کوئی فاضل امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ۔ ایف پورٹا کے مزعومات اور امام احمد رضا کے مواخذات و تحقیقات کا علمی تجزیہ اور تقابل کریں اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں خصوصًا ایسی صورت میں جبکہ امام احمد رضا کے مقابلے میں پورٹا کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔

رسالہ معین مبین کی تصنیف کے بعد سیلان افکار نے دوسرے رسائل کے رُخ سے پردہ اٹھایا —— چنانچہ امام احمد رضا نے اس ضمن میں بعض دلائل ردّ حرکت زمین کے متعلق لکھے جو طویل ہوتے دیکھے تو الگ کر لئے اور ردّ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مستقل رسالہ نزول مبین در حرکت زمین[۵۴] (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) لکھا۔ اپنی تصنیف الکلمۃ الملہمہ میں امام احمد رضا نے اس کا اس طرح ذکر کیا ہے :۔

---

[۵۲] نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء

[۵۳] نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء

فقیر نے رد فلسفۂ جدید میں ایک مبسوط کتاب مسمی بنام تاریخی فوزمبین در حرکت زمین لکھی جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکت زمین باطل کی اور جاذبیت و نافریت مزعومات فلسفۂ جدیدہ پر وہ روشن رد کئے جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں ۵۵

---

۵۴ اس کتاب کا کچھ حصہ امام احمد رضا کی زندگی میں ماہنامہ الرضا (بریلی) کی تقریباً ۱۲ قسطوں میں (رجب ۱۳۳۸ھ تا جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ) شائع ہوا اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا۔ مجموعی طور پر فوز مبین کا اصل مسودہ ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو حصہ شائع ہوا وہ ۹۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ مطبوعہ حصہ معارف رضا، کراچی (شمارہ ۱۹۸۳ء، ص ۱۷۳-۲۲۳) میں شائع ہوا۔ پھر ماہنامہ سنی دنیا (بریلی) نے اپنے اگست و ستمبر ۱۹۸۳ء کے مشترکہ شمارے میں شائع کیا۔ (۱۷۵-۷۹)، کراچی سے یہ مطبوعہ حصہ نے کتابی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ فوز مبین کے اصل مسودے کا عکس مولوی محمد عرفان الحق بریلوی اور مولوی عبدالنعیم عزیزی کی عنایت سے راقم کو ملا جو کتب خانے میں محفوظ ہے۔ پروفیسر ابرار حسین (راولپنڈی۔ پاکستان) فوز مبین کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں اور اس پر حواشی بھی لکھ رہے ہیں۔ مسعود

۵۵ احمد رضا، الکلمۃ الملہمہ مطبوعہ دہلی، ص ۵

نوٹ:۔ نظریۂ حرکت زمین سے اختلاف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ امام احمد رضا کے علاوہ عہد جدید کے بھی بعض مفکرین نے بھی اختلاف کیا ہے، چنانچہ ہندوستان، پاکستان اور مغربی ملکوں کے بعض سائنس دانوں اور فلسفیوں نے نظریۂ کشش ثقل اور نظریۂ اضافیت سے اختلاف کرتے ہوئے نظریۂ حرکت زمین میں کلام کیا ہے۔ ان تمام حضرات کی تنقیدات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو امام احمد رضا کی فکر رسا ممتاز نظر آئے گی۔ مسعود

فوزِ مبین کی فصل سوم میں ذیلی حاشیہ لکھا جس میں وہ دس دلائل نقل کئے جو فلاسفۂ قدیمہ نے رَدِّ حرکت زمین پر دیئے ہیں۔ امام احمد رضا نے ان دلائل کے ابطال میں تیس دلائل پیش کئے اور اس بحث کو ایک تیسری کتاب الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ لوہاء فلسفۃ المشئمۃ (مطبوعہ دہلی ۱۹۷۴ء) میں مرتب کیا[۵۶]

اسلامیہ کالج (لاہور) کے پروفیسر اور پرنسپل پروفیسر حاکم علی مرحوم[۵۷] امام احمد رضا سے بہت متأثر تھے۔ ان کے ہاں آنا جانا تھا اور سائنسی نظریات کے بارے میں ان سے تبادلہ خیال بھی ہوتا تھا[۵۸]۔ اس سلسلے کی ایک کڑی امام احمد رضا کی کتاب نزولِ آیات فرقان بسکون زمین و آسمان (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) ہے جو انہوں نے پروفیسر حاکم علی کی ایک تحریر کے جواب میں لکھی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔

---

[۵۶] یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں دہلی میں چھپ کر میرٹھ سے شائع ہو گئی ہے۔

[۵۷] پروفیسر حاکم علی انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے بانیوں میں تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے مشہور پروفیسر اور بعد میں پرنسپل رہے ۱۹۲۵ء میں کالج سے سبکدوش ہوئے اور ۱۹۴۳ء میں انتقال کیا۔ تحریک ترک موالات کے زمانے (۱۳ ربیع صفر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) میں انہوں نے امام احمد رضا سے فتویٰ لیا اور اسی پر عمل کیا۔

پروفیسر حاکم علی صاحب کے تلامذہ میں، پرنسپل دار العلوم الدینیۃ الشرقیہ (لاہور) آغا بیدار بخت نہایت ممتاز ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ مولانا حاکم علی مرحوم:۔

"ریاضی میں اس قدر ماہر تھے کہ کلاس روم میں پرچے اعداد سے بغیر کسی کتاب کے گھنٹوں پڑھاتے رہتے۔"

(اقبال احمد فاروقی، تذکرۂ علمائے اہل سنت لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۲۸۹)

[۵۸] احمد رضا: نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۷، ۴

پروفیسر حاکم علی نے ۴ ر جمادی الاول ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۰ء کو امام احمد رضا کو ایک خط لکھا جس میں حرکت زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیر جلالین اور اور تفسیر حسینی سے بعض عبارات پیش کیں اور امام احمد رضا سے درخواست کی کہ وہ حرکت زمین کے قائل ہو جائیں۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک مدلّل و محقّق رسالہ لکھا جس کا عنوان اوپر گذرا۔ اس رسالے میں امام احمد رضا نے ردّ حرکت زمین کے متعلق اپنے دلائل پیش کئے اور مندرجہ بالا دو کتب تفاسیر کے مقابلے میں ۲۸ کتب، تفاسیر وغیرہ سے حوالے پیش کئے[٦٠] امام احمد رضا کے نزدیک مسئلہ حرکت زمین کو دو ہزار سال بعد ۱۵۴۳ء میں کوپرنیکس نے پھر اٹھایا ورنہ بقول احمد رضا پہلے نصاریٰ بھی سکون ارض ہی کے قائل تھے[٦١] امام احمد رضا نے اس رسالے میں پروفیسر حاکم علی کے دلائل کو ضعیف قرار دیا اور مغربی سائنسدانوں کے متعلق لکھا:-

> یورپ والوں کو طریقۂ استدلال اصلاً نہیں آتا، انہیں اثبات دعویٰ کی تمیز نہیں، ان کے اُمّ جن کو بنام دلیل پیش کرتے ہیں، یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔ مصنّف ذی فہم، مناظرہ داں کیلئے وہی ان کے رَدّ میں بس ہیں کہ یہ دلائل بھی انہیں علتوں کے پابند ہوس ہیں"[٦٢]

پروفیسر حاکم علی نے امام احمد رضا سے یہ التجا کی تھی :-

غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر

---

[٦٠] امام احمد رضا کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ مخاطب اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے جس فن کی کتابوں سے دلائل پیش کرتا ہے اسی فن کی کتابوں سے اس کا ردّ کرتے ہیں اس لئے وہ ہر مقام پر اپنا علمی تبحّر قائم رکھتے ہیں۔ مسعود

[٦١] احمد رضا: نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۳ [٦٢] ایضاً ص ۲۱

انشاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنسدانوں کو مسلمان کیا ہوا
(پائیں گے)[۳۶]

امام احمد رضا نے اس التجا کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ قرآن کریم پر
اُن کے غیر متزلزل ایمان کا آئینہ دار ہے اور ہر مسلمان سائنسدان کے لئے
عبرت و نصیحت بھی، انہوں نے فرمایا :-

"محب فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و
نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے
یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ سائنس نے اسلام۔ وہ
مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں
مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے، دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے،
جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے مسئلہ اسلامی کا اثبات ہو، سائنس کا
ابطال و اسکات ہو ـــــــ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے
فہیم سائنس داں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں، آپ اسے بچشم پسند
دیکھتے ہیں ع

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ"[۱]

امام احمد رضا مسلمان سائنس دانوں کے نقطۂ نظر اور انداز فکر میں تبدیلی چاہتے
ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پڑھایا جائے یعنی کامل کی روشنی
میں ناقص کو پرکھا جائے۔ قرآن نے جو کچھ کہا سائنس بالآخر وہیں پہنچتی نظر آتی ہے۔
قرآن نے کہا کہ نباتات میں جان ہے، جمادات میں جان ہے، کائنات کے ایک ایک

---

[۱] احمد رضا: نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۴

ذرّے میں جان ہے ـــــ پہلے یہ بات عجیب بات لگی، اب سب اقرار کر رہے ہیں۔ قرآن نے کہا، یہی شب و روز نہیں جو ۲۴ گھنٹوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں بلکہ ایک جہاں ایسا بھی ہے جہاں کے شب و روز کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے ـــــ پہلے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی، رفتہ رفتہ لوگ یہی حقیقت تسلیم کرنے لگے ـــــ بہک بہک کر سب اسی مقام پر آتے جاتے ہیں جہاں قرآن لانا چاہتا ہے ـــــ ماہرین کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ امام احمد رضا نے "حال" میں رہتے ہوئے "مستقبل" کا کہاں تک سفر کیا۔ ممکن ہے وہ نظریات جو امام احمد رضا خاں نے پیش کئے ہیں، ان سے قبل یا بعد یورپ و امریکہ کے سائنس دانوں اور مفکرین نے پیش کئے ہوں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ نظریات امام احمد رضا سے قبل پیش کئے گئے ہوں تو ایسی صورت میں یہ دیکھنا ضروری ہے امام احمد رضا نے اپنے نظریئے کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ وہی ہیں جو ان سے قبل پیش کئے گئے یا ان سے مختلف؟

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات امام احمد رضا کے بعد پیش کئے گئے ہوں جیسا کہ پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے معاشیات میں نظریہ روزگار و آمدنی کو امام احمد رضا کی اولیات میں شمار کیا ہے[۹۳]

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات ایسے ہوں جو مفکرین و دانشوروں نے ابھی تک پیش نہیں کئے، ایسے نظریات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان کو اہل علم

۹۳؎ رفیع اللہ صدیقی:۔ فاضل بریلوی کے معاشی نکات، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۳، ۱۴۔
نوٹ: ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے یہ نظریہ پیش کیا پھر بہت بعد میں ۱۹۲۶ء میں کینز (Keynes) نے یہ نظریہ پیش کر کے انگلستان کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کیا۔ مسعود

کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور پیش کیا جانا چاہیئے۔ مثلاً مسئلہ گردش زمین جو پہلے مسلّمات سے تھا، اب اس پر بحث شروع ہو گئی ہے جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا۔ امام احمد رضا نے بھی اس نظریہ کی مخالفت کی اور ۱۰۵ دلائل سے اس کو ردّ کیا۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ کہا ہو جدید سائنسی تجربات و مشاہدات نے حتمی طور پر اس کی تغلیط کر دی ہو اور مزید بحث و مباحثہ کی گنجائش نہ چھوڑی ہو۔ ایسی صورت میں امام احمد رضا داد و تحسین کے مستحق ہیں کیوں کہ عالمی مقابلوں میں شکست کھانے والا بھی انعام کا مستحق ہوتا ہے کہ اس نے ایک بڑے مقابلے کیلئے ہمّت تو کی، میدان میں تو آیا۔

جدید و قدیم سائنس کے متعلق امام احمد رضا نے جو کچھ لکھا وہ بیشتر عربی و فارسی میں ہے، اردو میں بہت کم ہے چنانچہ عملی دشواری یہ ہے کہ اہل علم و فن عربی و فارسی سے واقف نہیں اور جو لوگ یہ زبانیں جانتے ہیں وہ علوم جدیدہ پر حاوی نہیں [۶۲]

ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے امام احمد رضا سے ملاقات کے وقت اس عملی دشواری کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے امام احمد رضا سے کہا:

> افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہو جاتا، پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا۔ [۶۳]

---

[۶۲] انگریزی نظام تعلیم نے ہم کو فارسی و عربی سے بیگانہ کر کے ماضی سے منقطع کر دیا۔ ہم علماء دین کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور اس کا احساس نہیں کہ انہوں نے ہم کو ہمارے شاندار ماضی سے وابستہ کر رکھا ہے۔ آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی قابل مبارکباد ہے کہ اس نے اپنے ہاں عربی اور اسلامک کلچر کو لازمی مضامین کی حیثیت دی ہے۔ مسعود

امام احمد رضا : حاشیہ بہادر خانی ، قلمی
〃 〃 : معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)
〃 〃 : 〃 〃 〃 مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء)
اقبال احمد فاروقی : تذکرۂ علمائے اہل سنّت وجماعت لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، جلد دہم ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور
بار برا مٹکاف ، ڈاکٹر : ہندوستان میں مذہبی قیادت اور علماء مصلحین (۱۸۶۰ــــ۱۹۰۰) برکلے ۱۹۸۲ء (انگریزی)
برہان الحق مفتی : اکرام امام احمد رضا ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء
رتن سنگھ بہادر : حدائق النجوم (سہ مجلدات) مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۴۱ء
شجاعت علی قادری ، مفتی : مجدد الامۃ (عربی) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء
شرکت حنفیہ : انوار رضا ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء
ظفر الدین بہاری : حیات اعلیٰ حضرت ، جلد اول ، مطبوعہ کراچی
فیاض محمود ، تاریخ ادبیات مسلمانان ہند و پاکستان ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ۱۹۷۲ء
محمد مسعود احمد پروفیسر : عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء
〃 〃 〃 : فاضل بریلوی اور ترک موالات ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء
محمد یٰسین اختر مصباحی : امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۷۷ء
نکلسن ، تامس : میراث اسلام ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء

(رسائل)

الرضا (بریلی) شمارہ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء
الرضا (بریلی) شمارہ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء
الرضا (بریلی) شمارہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء

الرضا (بریلی) شمارہ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۱۹ء

المیزان (بمبئی) امام احمد رضا نمبر، شمارہ مارچ سنہ ۱۹۷۶ء

صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری سنہ ۱۹۷۰ء

اخبارات

افق (کراچی) شمارہ ۲۲ ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

جنگ (کراچی) شمارہ ۱۷ ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱ ر مئی سنہ ۱۹۸۰ء

نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۶ ر دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء

نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸ ر دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء

عالم ہمہ صورت اگر جاں ہے تو تو ہے

سب ذرّے ہیں گر مہرِ درخشاں ہے تو تو ہے

پروانہ کوئی شمع کا، بلبل کوئی گل کا

اللہ ہے شاہد مرا، جاناں ہے تو تو ہے

طالب ہیں ترا، غیر سے ہرگز نہیں کچھ کام

گر دین ہے تو تو ہے جو ایماں ہے تو تو ہے

ڈاکٹر پروفیسر اشتیاق حسین قریشی (مرحوم)

دو قومی نظریہ
اور
مولانا احمد رضا خان بریلوی

یہاں ہم مسلم علماء کے ایک مکتبۂ فکر اہلسنّت وجماعت کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس مکتبۂ فکر کے عظیم ترین عالم دین مولانا احمد رضا خاں بریلوی تھے جن کے نظریات سے یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اتحاد کے بلکل قائل نہ تھے۔

۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ممتاز فقیہہ اور معاملہ فہم تھے۔ ان کے فتوؤں اور فیصلوں کا آج بھی احترام کیا جاتا ہے۔ علّامہ سر محمد اقبال نے اِن کے بارے میں کہا تھا "مولانا کے فتوے اُن کے فہم و ادراک، علمی مرتبے اور اُن کی تخلیقی فکر کی گہرائی و گیرائی اُن کی مجتہدانہ بصیرت اور علم دین پر گہری دسترس کے شاہد عادل ہیں، اگر اُن کے مزاج میں شدّت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امام ابو حنیفہؒ ہوتے۔

علامہ اقبالؒ نے جس انتہا پسندی کا حوالہ دیا ہے، وہ مولانا احمد رضا خان کے اس رویّے کے بارے میں ہے جو انہوں نے دیوبندی مکتب فکر کے بعض رہنماؤں کے بارے میں اختیار کیا اور جس کی بنیاد پر وہ انہیں دائرہ اسلام سے خارج خیال کرتے تھے۔ جب بعض مواقع پر دیوبندی مکتبۂ فکر کے بعض ممتاز علما نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض نازک سوالات اٹھائے تو ان بیانات کی نوعیت انتہائی متنازعہ تھی چنانچہ اِن بیانات کو جس اشتعال انگیز انداز میں پیش کیا گیا۔ اس پورے معاملے کو مابعد الطبیعاتی عذر خواہی کے طور پر پیش کرنا بہتر ہے ایک فریق کی جانب سے خدا کی حقانیت، وحدانیت اور علم کے بارے میں بعض نظریات سامنے لائے جا رہے تھے جب کہ دوسری جانب سے اِن خیالات و نظریات کو اسلام کے منافی گردانا گیا۔ لیکن بدنصیبی سے اِن تمام اختلافات کو ان لوگوں کے سامنے بھی پیش کیا گیا۔ جو انہیں سمجھ نہیں سکتے تھے

تاہم اس سے مولانا کی علمی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔

اِن کی لکھی ہوئی کتابوں اور کتابچوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برصغیر میں اُن کا کوئی اور ہم عصر ماہر الٰہیات اپنے پیروکاروں پر مُرتب نہیں کرسکا۔ تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتویٰ پر دستخط لینے کے لئے علی برادران اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا "مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف"۔ جب مولانا نے یہ دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہوگئے ہیں تو انہوں نے کہا "مولانا، میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں میں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں"

اس مخالفت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس اتحاد کے بڑے حامی افراط و تفریط میں اس قدر بہہ گئے تھے کہ ایک عالم اس کی حمایت نہیں کرسکتا تھا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی بعض تحریروں اور افعال پر اعتراض کیا جنہوں نے خود ان الفاظ میں اس کا حسین اعتراف کیا ہے۔

"مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں، کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ، مجھے اِن پر ندامت ہے۔ زبانی تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصوّر نہیں کیا تھا لیکن مولانا احمد رضا خان بریلوی انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابلِ مواخذہ خیال کرتے ہیں۔ اُن سب سے میں رُجوع کرتا ہوں جن کے لئے پیش روؤں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں۔ اِن کے بارے میں میں مولانا احمد رضا خان کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں"۔

اپنا یہ بیان مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے شائع کردیا۔ مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی سے باز نہ رکھنے کی جدوجہد جاری رہی۔ مولانا سید سلیمان اشرف (بہاری) مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیّت علمائے ہند کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں شریک تھے۔ کانفرنس میں انہوں نے ہندوؤں کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدفِ تنقید بنایا اور انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ "موالات" بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے انگریزوں کے ساتھ۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر نے بھی اپنی وفات سے تین ماہ قبل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے اپنی ہندو نواز سرگرمیوں سے توبہ کی۔ چند ماہ بعد مولانا شوکت علی

نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ بریلوی مکتبِ فکر سے متعلق علما مسلمانوں کے لئے کانگریس کی قیادت کے خلاف تھے کیوں کہ انہیں یہ یقین تھا کہ اس سے مسلمان بتدریج اپنے مذہبی تشخص سے محروم ہو جائیں گے اور وہ ہندوؤں کے عقائد اور روایات قبول کر لیں گے۔ جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک کا آغاز کیا تو ان علمائے اس کے مقابلے میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ڈالی جس کے تحت سیکڑوں بریلوی علمائے ملکانہ راجپوتوں میں قابل قدر کام کیا اور کامیاب ہوئے۔

بریلوی مکتبِ فکر کی قیادت (بعدازاں) مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہاتھوں میں آگئی جمعیت علماء ہند کے علمائے کے برعکس وہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے ان کے لئے یہ سوال شدت اختیار کرتا جارہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیئے۔ اس لئے جونہی قرارداد پاکستان منظور ہوئی اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علما، جنہوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی۔ قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہو گئی۔ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے بذاتِ خود شمالی برصغیر کا دورہ کیا اور اس کے متعدد چھوٹے اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں۔ تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام "جمہوریہ الاسلامیہ" رکھ دیا گیا۔ اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے "جمہوریہ الاسلامیہ" پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا۔

"جمہوریہ الاسلامیہ کو کسی بھی صورتِ حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں، خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔"

بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پانچ ہزار علمائے نے

شرکت کی اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت و اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی جب یہ علماء اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے تو قیام پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے مکتبِ فکر کے علماء کے کردار کا ان الفاظ میں ذکر کیا "ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا علماء کے لئے مناسب خیال نہیں کیا لیکن ہم نے مسلم لیگ کے مخالفین کا بڑی شدت سے مقابلہ کیا اور اس کا مقصد مسلم لیگ کو ممنون کرنا ہرگز نہیں تھا کیوں کہ ہم نے اپنا کردار ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادا کیا ہے۔ ہم نے کسی وقت بھی غیر مسلموں پر اعتماد نہیں کیا اور اب جبکہ مسلم لیگ نے اسلامی آرڈیننس کے نفاذ کی جانب قدم اٹھایا ہے تو ہم اسلام کی عظمت اور غلبہ کے لئے مسلم لیگ کے مخالفین کی مخالفت کر رہے ہیں۔"

بعض دیگر علماء نے بھی اس ضمن میں خصوصی کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک مولانا آزاد سبحانی تھے جنہوں نے ہمیشہ قیام پاکستان کی حمایت کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ میں نماز عید کے بڑے اجتماع کی امامت کرتے تھے لیکن مقامی مسلمانوں نے ان کی کانگریس نواز سرگرمیوں سے بیزار ہو کر انہیں امامت سے برطرف کر دیا اور ان کی نظر انتخاب مولانا آزاد سبحانی پر پڑی جن کی تعلیمات اور خدمات جانی پہچانی تھیں۔ وہ اس قدر بے لوث تھے کہ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں بہت کم مواد دستیاب ہے۔ تاہم وہ لوگ ان کی خدمات سے بخوبی واقف ہیں جو گزشتہ نصف صدی کی تحاریک کے عینی شاہد ہیں کہ انہوں نے مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے انہدام کے خلاف مظاہرے میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ وہ خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں بھی مستعد رہے۔ وہ مسلم لیگ کے اس کے قیام کے وقت سے ہی پرجوش معاون تھے۔ وہ ایک زبردست عوامی مقرر تھے۔ ان کے خیالات منطقی اور متوازن ہوتے تھے ان کی زبان شستہ اور پاکیزہ ہوتی اور سچی بات تو یہ ہے وہ اس برصغیر میں اردو کے سب سے بڑے عوامی مقرر تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے عوامی معاملات میں اپنی نوجوانی کے زمانہ میں ہی دلچسپی لینا شروع کر دی تھی وہ تحریک خلافت کے ایک جوشیلے کارکن تھے اور انہوں نے اس وقت سے مسلم لیگ کا ساتھ دینا شروع کیا جب اس کا کانگریس سے جھگڑا شروع ہوا وہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہو گئے وہ "جمعیت علماء پاکستان" کے بانیان میں سے تھے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی
وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

امام احمد رضا

ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا شاہ احمد رضا خانؒ بریلوی چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہہ، متبحر عالم، سائنس دان، بہترین نعت گو، صاحبِ شریعت و صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ ان کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تقریباً ۵۴ علوم و فنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے اور ان علوم میں سے ہر فن میں آپ نے کوئی نہ کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔ ان تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مشہور کتابوں پر بے شمار حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ قرآن پاک کے ترجمہ کے علاوہ بارہ ہزار صفحات پر مشتمل "فتاویٰ رضویہ" ان کی تصانیف میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ "فتاوی رضویہ" دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ احمد رضاؒ کو علم و ادب اور فقہ و حدیث پر کتنا عبور حاصل تھا۔ حتیٰ کہ علمائے عرب بھی آپ کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔

امام احمد رضاؒ خان نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ آپ نے صرف ایک ماہ کے عرصہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ دینی علوم کے علاوہ امام احمد رضاؒ صاحب کو سائنسی علوم پر بھی پوری مہارت

حاصل تھی۔ ہیئت، ہندسہ، ریاضی، جفر و تکسیر، جبر و مقابلہ، مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم، اور نجوم و حساب جیسے علوم میں آپ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین جو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے وائس چانسلر اور مشہور ماہرِ ریاضیات تھے۔ جب ان کے سامنے ریاضی کا ایک پیچیدہ مسئلہ آیا تو اس کو مولانا احمد رضا خان نے بآسانی حل کر دیا۔

مولانا کی شخصیت ایک پہلودار شخصیت ہے جس کے مختلف پہلوؤں پر مقررین روشنی ڈال چکے ہیں۔ لیکن ان کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل و کمالات سے بڑھ کر ہے وہ "عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ یہی حبِ رسولؐ ہے۔ ترجمہ قرآن کریم ہو یا تشریحِ احادیث، فقہ کی باریک بینی ہو یا شریعت و طریقت کی بحث ہو یا نعتیہ شاعری۔ ہر جگہ عشقِ رسولؐ کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کو ہی لے لیجئے۔ یہ کوئی رسمی اور روائتی شاعری نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی شاعری ہے۔ جس کے افکار کا محور ذاتِ رسالت مآبؐ ہے۔ ان کے شعری مجموعہ "حدائقِ بخشش" کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ذات عشقِ مصطفےٰ سے عبارت تھی۔ آپؒ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشقِ رسولؐ میں ڈوبا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت گو شعراء میں کوئی شاعر علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا ہم پلہ نہیں ہے۔

مولانا کی شخصیت کا دوسرا نمایاں پہلو جس نے ان کو منفرد مقام عطا کیا وہ ان کا متبحر فقہی علم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؒ ان علوم و فنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ جو ایک فقیہہ کے لیئے ضروری ہے۔ آپ میں استدلال و استنباط کا وہ ملکہ موجود تھا جو ایک مجتہد کیلیئے ضروری ہے۔ اس کی شہادت ان کے فتووں کا مجموعہ ہے۔ یہی وہ مجموعہ ہے جس کے مطالعہ کے بعد علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ "اگر مولانا میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانہ کے امام ابو حنیفہ ہوتے۔

علامہ اقبال کے اس قول سے حضرت احمد رضا خان صاحبؒ کی شخصیت کے ایک

اور پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ یعنی ان کی شدّت اور سختی۔ اگر ہم مولانا کی زندگی کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ جس شدت کا علامہ اقبال تذکرہ کر رہے ہیں وہ مولانا کی ذاتی زندگی میں ان کے ذاتی معاملات میں نہ تھی بلکہ شدّت کا یہ اظہار وہ دشمنانِ دین کے مقابلہ پر کرتے تھے جو قرآنی تعلیمات " اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ " کے عین مطابق ہے اور جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود علامہ اقبال کہتے ہیں :-

ہو حلقۂ یاراں میں تو ریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ وہ اسلام کی برتری اور مسلمانانِ ہند کی بہتری کے لیئے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ اور قلمی جہاد کرتے رہے۔ ان میں امتِ مسلمہ کی اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ مسلم لیگ نے بعد میں جو دو قومی نظریہ پیش کیا امام احمد رضا خان بریلویؒ بہت پہلے اس کی طرف رہنمائی کر چکے تھے۔ اپنی سیاسی بصیرت کے پیشِ نظر وہ ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ معاملاتِ روزمرّہ کے لین دین اور تعلقات و مراسم کی بات مختلف ہے لیکن دو قوموں کے اتحاد یعنی ہندو مسلم اتحاد کی بات بالکل علیحدہ اور جدا ہے۔ اپنی ایک عربی تصنیف میں انہوں نے صراحت سے بتایا کہ ترکِ موالات کے ساتھ ساتھ جو ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگایا جا رہا تھا وہ غیر شرعی ہے۔ اگرچہ مولانا قیامِ پاکستان تک زندہ نہ رہے لیکن اپنی تحریروں اور تبلیغ سے قیامِ پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیئے ہزاروں علماء کی ایک ٹیم ضرور تیار کر گئے۔

مختصر یہ کہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ خداداد صلاحیتوں کے مالک، اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف، سچے عاشقِ رسولؐ، بلند پایہ فقیہہ اور عظیم نعت گو شاعران شخصیتوں میں سے ایک تھے۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالہ حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

الحمد للہ

امام اہلسنت قامع بدعت ناصر ملت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ
جناب مولانا مولوی مفتی احمد رضا خاں صاحب نے جو مکہ معظمہ میں
چار رسالے تصنیف فرمائے انکا تیسرا رسالہ مسمّی بنام تاریخی

کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم

۱۳۲۴ھ

مع ترجمہ مسمّی بنام تاریخی

نوٹ کے متعلق مسائل

۱۳۲۹ھ

اس رسالہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے سود چھوٹ جائے۔ اس میں وہ شرعی صورتیں بتائی ہیں کہ نفع خاطر خواہ لیے وقت لو۔ اور سود نہ ہو۔ بڑا بدنصیب ہوگا وہ جو اس کے بعد بھی سود لینے کا نام لے۔ آخر میں رسالہ مسمّی بنام تاریخی

کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم

۱۳۲۹ھ

کا ترجمہ مسمّی بنام تاریخی

اس میں مولوی گنگوہی اور جناب مولوی لکھنوی صاحب کے فتووں کا مفصل جواب دیا گیا ہے

الذیل المنوط لرسالۃ النوط

۱۳۲۹ھ

شبیر برادرز ۰ اردو بازار لاہور ۲

سید الطاف علی بریلوی مرحوم و مغفور

کچھ یادیں کچھ باتیں

برصغیر پاک و ہند میں جماعت اہلسنت کے سب سے بڑے شیخ حضرت احمد رضا خان بریلوی المعروف "اعلیٰ حضرت" رحمۃ اللہ علیہ کا دور ۱۸۵۶ء اور ۱۹۲۱ء تھا۔ حضرت کی سوانح حیات پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اسی طرح خود آپ کا ترجمہ کلام مجید و دیگر بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں راقم صرف ان چیزوں کو بیان کرنا چاہتا ہے جن سے وہ متاثر ہے اور جو اس کی چشم دید ہیں۔

حضرت کے وصال کے وقت میری عمر سولہ سال تھی لیکن قدرت کا مجھ پر احسان تھا کہ میرا شعور نہ معلوم کب سے بیدار ہو چکا تھا۔ اور اس اعتبار سے کہ مجھے اپنے بزرگان عہد سے عشق تھا۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ ؎

مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

ہوش سنبھالتے ہی میں نے پہلی سعیت کے حضرت شاہ محمد شیر میاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اسمائے گرامی اپنے گھر اور گرد و پیش ہر کس و ناکس سے عزت و احترام کے ساتھ سنے۔ اول الذکر بزرگ بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا انتقال میرے سامنے ہوا۔ اور میں ان کی نماز جنازہ میں بھی شریک ہوا۔ حضرت کی میت ان کی جائے قیام محلہ سوداگران سے شہر کے باہر تین چار میل کے فاصلے پر دریائے رام گنگا کے کنارے واقع عید گاہ جہاں وہ عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے لے جائی گئی۔ اس

وقت سخت گرمی اور دھوپ تھی لیکن اس کے باوجود جلوس اور نماز میں کم از کم دس ہزار عقیدتمندوں کا ہجوم تھا۔ جس میں ہر طبقے کے لوگ بڑے بڑے رؤسا اور کوتوالِ شہر عبدالجلیل صاحب بھی شامل تھے! اس روز پورے شہر میں ہر شخص کو بے پناہ صدمہ تھا۔ اور گھر گھر صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ جہاں تک مجھ کو یاد ہے درمیانِ عصر اور مغرب حضرت کو محلہ سوداگران کی مسجد سے متصل قطعہ اراضی پر سپردِ خاک کیا گیا۔ بعد کو اسی جگہ آپ کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ جس کی چھت پر جماعت اہلسنت کے بڑے بڑے اجتماعات ہونے لگے۔

میرے دادا اصغر علی صاحب، شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور والد سید اسحاق علی (بھائی جان) کسی سے بیعت نہیں تھے! آخر عمر میں البتہ انہیں ایک درویش سے دلی رغبت ہوگئی تھی۔ جنہوں نے اچانک نمودار ہوکر والد کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مجھے ان درویش کی متعدد بار زیارت ہوئی لیکن نام یاد نہیں رہا۔ یہ بھی یاد نہیں کہ والد صاحب ان سے بیعت ہو گئے تھے یا نہیں۔ میری ننھیال کے سب لوگ مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے نانا سید شجاعت علی صاحب خنداں صاحبہ، میری والدہ اور خالہ صاحبہ جو بفضلہ ہنوز حیات ہیں نیز دونوں ماموں حاجی سید ایوب علی رضوی اور سید مشتاق علی رضوی صاحب نہ صرف بیعت تھے بلکہ والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ ماموں حاجی ایوب علی صاحب رضوی جن کا ابھی چند سال پہلے لاہور میں بعمر ۹۵ سال انتقال ہوا۔ ساری زندگی اپنی پیر طریقت کی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ آں مرحوم ۲۶ سال تک مسلسل حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے پیش کار رہے خطوط و مضامین کا املا لیتے، مراسلت کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ مولانا کی تصانیف اور کتب خانہ کی نگہداشت کرتے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اگرچہ ۶۵ سال عمر پائی لیکن عنفوان شباب ہی سے

بزرگی بہ عقل است نہ بسال

کی مثال ان پر صادق رہی۔ بلا استثنا ہر شخص ان کو اعلٰحضرت یا بڑے مولانا کہتا تھا۔

کثرت عبادت و ریاضت اور تحقیقِ علمی میں بے پناہ معروفیات اور کسی قسم کی سیر و تفریح یا ورزش جسمانی سے عدم توجہی کے باعث نہ معلوم وہ کب سے ضعیف العمر نظر آتے تھے۔ دولت خانہ کے قریب ہی اپنی مسجد میں پانچوں وقت نماز باجماعت کے لئے تشریف لاتے تو ان کی آہستہ خرامی دیدنی ہوتی تھی سلیم شاہی جوتا، ایک بر کا پائجامہ، گھٹنوں سے نیچا کرتا۔ اس پر انگرکھا یا شیروانی اور پھر اس پر عبا پہنتے تھے۔ سر پر اوسط درجہ کا عمامہ جس میں سے پیچھے گردن پر چھوٹی چھوٹی حنائی زلفیں نظر آتی تھیں بڑی بڑی پرکشش آنکھیں، گندمی رنگ، گھنی شرعی داڑھی تھی۔ ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے تھے۔ کبھی کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھتے۔

خوابگاہ میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ فرش کی دری، اس کے قالین اور دوسرے فرنیچر پر صرف کتابیں نظر آتی تھیں۔ حدیہ کہ پلنگ کے تین جانب کتابوں کی باڑیں لگی رہتی تھیں۔ پائنتی کی طرف البتہ خالی جگہ رکھی جاتی۔ لکھتے تو قلم بہت تیز چلتا تھا۔ اس کی روانی دیکھنے کے قابل ہوتی۔

علوم دینی میں مولانا کا جو مرتبہ اور مقام تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے ان کو امام ابوحنیفہ ثانی لکھا ہے۔

نعت گوئی میں حضرتؒ اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضاؒ نے جو بے مثل مقبولیت حاصل کی ہے اس پر کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میلاد شریف کی قریب قریب ہر محفل میں ان کا کلام پڑھا جاتا۔ اور ان کے پڑھنے والے مثلاً مولوی عبد الجلیل نے خوب نام پیدا کیا۔ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں بلائے جاتے۔

مولانا کے نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" کے نسخے گھر گھر پائے جاتے اور خواتین بھی اپنی زنانہ محفلوں میں ان کو خوب ترنم سے پڑھتی تھیں۔

خود مولانا صاحب کے یہاں ۱۲ ربیع الاول کو خاص الخاص اہتمام سے محفلِ میلاد ہوتی جس میں یہ قاعدہ ہوتا تھا کہ داڑھی رکھنے والوں کو تبرک کا دہرا حصہ اور بے داڑھی والوں کو ایک حصہ دیا جاتا۔ بچپن کے سنے ہوئے اشعار اکثر یاد آتے ہیں۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

یاالٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینہ پہ تسلّی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

دینے والے تجھے دینا ہو تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے

مولانا کے قائم کردہ مدرسہ دینی کا سالانہ جلسہ اسناد دستاربندی حافظ الملک حافظ

رحمت خاں شہید کی ہمشیرہ کی بنائی ہوئی عظیم الشان مسجد واقع بزریہ بہاری پور میں جو بیوی جی کی مسجد کہلاتی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا جس میں مولانا کے ہم مشرب جیّد علمائے کرام اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو فیضیاب کرتے تھے۔ حضرت بھی بہ نفس نفیس شریک ہوکر کثیر التعداد حاضرین کے جوش وعقیدت کا محور ہوتے۔ عجب روح پرور نظارہ ہوتا تھا۔ درج ذیل علماء کرام کی زیارت اور ان کے مواعظ حسنہ سننے کا شرف مجھے زیادہ تر دستار بندی کے ان جلسوں میں حاصل ہوا۔

شاہ علی حسن اشرفی میاں، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سیّد دیدار علی شاہ الوری، مولانا قطب الدین برہم چاری، مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی، مولانا عبد العلیم میرٹھی مولانا سیّد محمد میاں مارہروی، مولانا عبد السلام و مولانا برہان الدین صاحب جبل پوری، مولانا امجد علی صاحب اعظمی (مصنف بہار شریعت) مولانا عبد الماجد بدایونی اور مولانا حشمت علی صاحب، وغیرہم۔

مولانا کے مدرسہ میں قرب وجوار کے طلبہ کے علاوہ آسام، بنگال، پنجاب، سرحد، سندھ اور افغانستان تک کے تشنگانِ علوم دینیہ رہتے تھے جنہیں کتب درسی اور قیام وطعام کی سہولت مہیا کی جاتی۔ بکثرت طالب علم شہر کی مساجد میں امامت کرتے۔ انہیں کے حجروں میں قیام کرتے اور اہل محلہ ان کے کفیل ہوتے تھے۔ بعض ذہین طلبہ شہر کے بازاروں میں آریہ سماج اور عیسائی مشنریوں سے آئے دن مناظرے بھی کرتے۔ ایک دار الافتا بھی تھا جو استفتاؤں کی روشنی میں ملک کے طول وعرض میں فتویٰ ارسال کرتے۔ مسلمانوں کے باہمی نزاعات کو بھی شرع شریف کی رو سے طے کرایا جاتا۔ اور ہزاروں لوگ مقدمہ بازی کی تباہ کاریوں سے بچ جاتے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کی عظمتِ روحانی اور ان کے فیصلوں کو بے چوں وچرا مخالف فریق بھی تسلیم کرتے تھے۔

حضرتؒ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر مسجد کے شمال مشرقی حصہ میں جہاں ایک سایہ دار درخت بھی تھا تشریف فرما ہوتے تھے اس مجلس میں حاضری کی اجازت عام تھی۔ بلا روک ٹوک ہر شخص

جو سوال کرنا چاہتا کرتا۔ یہ بابرکت صحبت مغرب کی اذان تک جاری رہتی۔

مولانا کی اس مسجد میں جمعہ کے روز بھی خاصی بھیڑ بھاڑ اور رونق ہوتی تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ نماز کے لئے ساڑھے تین بجے کا وقت مقرر تھا۔ سارے شہر کے وہ حضرات جو اپنے محلہ کی مسجد میں کسی مجبوری کی وجہ سے بر وقت نماز نہ پڑھ پاتے۔ وہ یہاں آجاتے۔ مولانا کے ہی ایک مرید کٹرہ مانرائے کے قریب گلی حکیم وزیر علی کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ۱۲½ بجے نماز جمعہ پڑھاتے تھے جس میں ایسے تمام لوگ آتے جنہیں ریل کے سفر میں یا کسی اور مجبوری کے باعث جلد نماز سے فارغ ہو جانے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے۔ معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر انتظام ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے۔ مولانا اور ان کے اہل خانہ کے محلہ سوداگران میں بڑے بڑے مکانات تھے۔ بلکہ پورا محلہ ہی ایک طرح سے انہیں کا تھا۔ اس محلہ کے چاروں طرف ہندوؤں کی آبادی تھی۔ کوئی ایک راستہ بھی ایسا نہ تھا جس کے ہر دو جانب کثیر التعداد ہندو نہ رہتے ہوں۔ لیکن مولانا صاحب کا وقار و جلال کچھ اس طرح کا تھا کہ ہندو مسلم فسادات کی سخت سے سخت کشیدہ فضا میں بھی کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ تقسیم ملک کی ہولناکیوں کا دور بھی گذر گیا۔ اور ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور جملہ اعزہ و متوسلین بخیرو عافیت رہے۔

مولانا صاحب اپنے مریدوں کا ہر طرح خیال رکھتے تھے۔ ان کی بذل و سخا اور مرشدانہ شفقت کے صدہا واقعات ہیں جن کو سپرد قلم کیا جائے تو۔ ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

میں یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب ان کے کسی مرید (مرد یا عورت) کا انتقال ہوتا تو اس کی وصیت یا اس کے اعزہ کی خواہش ہوتی کہ نماز جنازہ مولانا ہی پڑھائیں۔ چنانچہ بریلی جیسے شہر میں آئے دن مولانا ایک یا دو جنازوں کی نماز بہ نفس نفیس پڑھانے

تشریف لے جاتے۔ اس سے ان کو کس قدر ایثار نفس کرنا ہوتا ہوگا۔ عیاں راچہ بیان۔

میں نے غریب سے غریب بستیوں اور نادار سے نادار گھروں میں مولانا کو پہنچتے ہوئے دیکھا جس سے سوگواروں کو اسقدر تسکینِ خاطر حاصل ہوتی کہ مرنے والے کا بہت کچھ غم بھول جاتے۔

سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلا لاشیہ حریت پسند تھے۔ انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں صاحب و مصطفےٰ رضا خاں صاحب کو کبھی شوق نہ تھا۔ والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی مطلق راہ و رسم نہ تھی۔ بلکہ بقول الحاج سید ایوب علی صاحب مرحوم (جن کے ۲۶ سال تک پیشکار رہنے کا اوپر ذکر آچکا ہے) حضرت مولانا ڈاک کے لفافے پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے یعنی ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کے سر نیچے۔ اسی طرح حضرتؒ کا عہد تھا کہ کبھی وہ انگریزی کی عدالت میں نہ جائیں گے۔ اس کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ جو میرے مشاہدہ میں آیا تھا۔ علمائے بدایوں سے نماز جمعہ کی اذانِ ثانی نزد ممبر یا صحنِ مسجد میں ہو، کے مسئلہ پر اختلاف تھا جس کی بنا پر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ اہل بدایوں مدعی تھے! اور انہوں نے اپنے ہی شہر کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا تھا۔ مولانا صاحب کے نام عدالت سے سمن آیا۔ اس پر حاضر نہ ہونے تو احتمالِ گرفتاری کی بنا پر ہزاروں عقیدت کیش مولانا صاحب کے دولت خانہ پر جمع ہو گئے۔ نہ صرف جمع ہوئے بلکہ آس پڑوس کی سڑکوں اور گلیوں میں باقاعدہ ڈیرے ڈال دیئے۔ دن رات اس عزم کے ساتھ چوکسی ہونے لگی کہ جب وہ سب اپنی جان قربان کر دیں گے۔ تو قانون کے کارندے مولانا کو کیسے ہاتھ لگا سکیں گے۔ فدا کاروں اور جاں نثاروں کا ہجوم جب بہت بڑھ گیا اور محلہ سوداگران میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو گھنی آبادی سے دور مسجد نو محلہ کے قریب ایک کوٹھی میں حضرت کو منتقل کر دیا گیا۔ اس کوٹھی کے سامنے گورنمنٹ ہائی اسکول کا نہایت وسیع کمپاؤنڈ تھا جس میں کئی لاکھ آدمی سما سکتے تھے۔ اسی کشا کش کے دوران بدایوں کی کچہری میں مقدمہ کی پیشیاں ہوتی رہیں۔ جن میں بکثرت لوگ بریلی سے بھی جاتے تھے۔ اہل بدایوں کا بھی خاصا اجتماع ہوتا۔ ایک دوسرے کے مقابل کیمپ لگتے اور ہر لمحہ باہمی تصادم

کا خوف رہتا۔ ایک پیشی کے موقع پر میں بھی اپنے چچا کے ہمراہ گیا تھا۔ اور وہاں پہلی اور آخری بار میں نے اس دور کے مشہور ماہر قانون جناب مولوی حشمت اللہ بار ایٹ لا کو دیکھا۔ یہ سرسید کے دوست تھے ۱۸۹۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہفتم کے صدر ہوئے تھے۔ فی الوقت میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ مولوی حشمت اللہ صاحب ہی کی کوشش سے مقدمہ مذکور اس طرح خارج ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ کی آن قائم رہی یعنی وہ ایک مرتبہ بھی عدالت حاضر نہ ہوئے۔ اور نہ انہوں نے زبانی یا تحریری کسی قسم کی معذرت خواہی کی۔ کیونکہ بعد ازاں انتہائی وسیع پیمانے پر مبارکبادیوں کا سلسلہ کئی ہفتے تک جاری رہا۔ محلہ محلہ اور کوچہ کوچہ سے جلوس نکال کر سڑکوں پر اس طرح گشت کر کے مولانا صاحب کے دولت کدہ پر پہنچتے کہ چھڑکاؤ ہو جاتا۔ گلاب پاشی ہوتی اور میلاد خوانوں کی ٹولیاں گلوں میں ہار ڈالے جھوم جھوم کر جوش و خروش کے ساتھ خود مولانا کا نعتیہ کلام بلاغت نظام پڑھتے جاتے۔ مٹھائی اور ہار پھولوں کی خوان پوش سینیاں بھی ساتھ جاتیں جو منزلِ مقصود پر حضرت کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دی جاتیں۔ حضرتؒ ان سب چیزوں کو مجمع میں تقسیم کرا دیتے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے افکار، نظریات، کردار اور علوم دینی میں اعلیٰ مقام رکھنے کے باعث انیسویں صدی عیسوی کی ربع آخر اور بیسویں صدی کے ربع اوّل میں ایک انقلاب آفریں شخصیت کے مالک تھے! اور ان کی چلائی ہوئی تحریک اصلاح اسقدر مؤثر تھی کہ اس کے اثرات آج بھی آب و تاب کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص اور عالمِ اسلام میں بالعموم پوری پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہیں ؎

فانی ز حیات من آشفتہ، چہ پرسی
مرگیست کہ از ہستی جاوید پیام است

تقریظ :- مولانا ہدایت اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ :- شاہ محمد خالد میاں فاخری

الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ

۱۴۰۶ھ حج کا موسم ہے۔ میں عازمِ حجازِ مقدس ہوں۔ روانگی کی تاریخیں قریب تر ہیں۔ ان ایام میں "معارفِ رضا" کی ترتیب، تدوین اور اس کی اشاعت کا زور و شور ہے۔ ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے میرے ذمہ بھی کچھ فرائض تھے جن کی جانب قابلِ صد احترام، استاذالاساتذہ، عالی جناب، والا مرتبت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ نے خصوصی طور پر متوجہ فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ افضل العلماء شیخ الشیوخ مولانا مفتی محمد مظہر اللہ قدس سرہٗ امام جامع مسجد فتحپوری دہلی کے صاحبزادہ و جانشین اہلِ علم کے لئے وجہ نازش و افتخار ہیں۔ آپ نے امام اہلِ سنّت حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی پر جس قدر تحقیقی کام کیا ہے اس کیلئے عالم اسلام ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کرے کم ہے۔ ڈاکٹر صاحب ابھی مختلف زاویوں سے اپنے تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ اس ضمن میں موصوف نے مجھ فقیر راقم الحروف سے اس دور کے علماء سندھ سے متعلق کچھ تحریر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا جن سے کسی طرح کا تعلق بھی اعلیحضرت قدس سرہٗ سے تھا۔ میں پابہ رکاب ہوں۔ ظاہر ہے کہ اتنے اہم کام کے لئے کافی وقت چاہیئے۔ اگر اللہ نے زندگی عطا فرمائی تو سفر حج سے واپسی کے بعد "اعلیحضرت اور علماء سندھ" کے ایسے عنوان سے کچھ تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ المستعان۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی مرتّبہ کتاب "امام احمد رضا اور عالم اسلام" جسے سید ریاست علی قادری صاحب کے سعی و اہتمام میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کے جزء

"عکس تقاریظ" میں ایک تقریظ مولانا ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید سندھی حنفی قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ مولانا ہدایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا علاقۂ سندھ کے ممتاز علما، ومحققین میں شمار ہوتا تھا۔ جو ہجرت فرماکر مدینہ منورہ میں قیام فرما ہو گئے تھے۔ ذیل کی تحریر اسی تقریظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ سات صفحات سے زیادہ پر مشتمل یہ تقریظ ان تحریرات میں سے ایک ہے جو اعلیٰحضرت کے مصنفہ رسالہ "الدولۃ المکیہ" پر اس دور کے علما، حق نے تحریر فرمائی ہیں۔ ان تقاریظ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے علما، کی نگاہ میں اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نور اللہ مضجعہٗ کا کیا مقام تھا۔

یہ ترجمہ اصحاب دانش وبینش کے ذوق تحقیق کے لئے حاضر ہے وباللہ التوفیق وہو المستعان

ترجمہ:۔ تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی بخشش بہت زیادہ ہے۔ جس کی نعمتیں راحت و آرام والی ہیں جو عالم الغیب ہے۔ وہ غیب کی باتیں کسی کو نہیں بتاتا سوائے اس رسول ﷺ کے جو تمام رسولوں میں پسندیدہ ہے۔ جس چیز سے چاہا اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو روک دیا۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا۔ "اللہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر غیب کی بات تمہیں بتا ہی دے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے۔"

میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں اس بات پر کہ اس نے آدم ؑ کو تمام اسمار کی تعلیم دی اور تمام علوم کے لئے امام الانبیاء ورسل کو اس نے مخصوص فرمایا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک بھی نہیں جس نے اپنے محبوب کو اپنے اس قول سے نوازا۔ "ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک" جو یقیناً ایک عظیم خبر ہے۔

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور آقا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور ایسے رسول ہیں جن کے لئے انتہائی غیب کی ساری باتیں واضح کر دی گئیں اور وہ تمام حقائق اشیاء سے واقف ہو گئے اور ان کو ازل سے ابد تک کے سارے واقعات کا جو گذر چکے یا آئندہ ہوں گے علم عطا فرما دیا گیا اور ان کے لئے ظاہر کی گئی قرار پکڑنے کی جگہ جہاں انہوں نے قلم چلنے کی آواز سماعت فرمائی اور لوح مبین کے سارے علم کا احاطہ فرمالیا۔ اور ان پر ایسی کتاب نازل کی گئی جس میں تمام علوم اشیاء واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ وہ کتاب، کتاب ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے اور ہر اس شیٔ کا جو وجود میں آچکی یا قیامت تک آنے والی ہے علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین ان کو حاصل ہو گیا پھر بارگاہ رب العزت سے جن خبروں کے بتانے کا حکم ملا ان خبروں پر سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مطلع فرما دیا۔

اُن کے سخاوت کی شہادت اللہ جل مجدہٗ کے اس قول سے ملتی ہے "وما ھو علی الغیب بضنین" (اور وہ غیب کی باتیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے) پروردگار عالم سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کے عُلوِّ علمی اور اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ارشاد فرمایا! "واللہ نے تم کو وہ ساری باتیں بتا دیں جن کا تم کو علم نہیں تھا (وعلمک مالم تکن تعلم) اور تمہارے اوپر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے"۔ تو لوح و قلم کا علم، علم نبوی کے ایک ذرہ کے برابر ہے جیسا کہ علم نبوی بحر علم الٰہی کے کنارہ کا ایک قطرہ ہے۔ درود و سلام ہو اُن پر، اور اُن کی اولاد پر جو حقائق و اسرار کے قیمتی پتھروں کا خزانہ ہیں اور ان کے اصحاب پر جو علم و انوار کی موتیوں کے سمندر ہیں۔ اور ان کے نیک پیروکاروں اور ان کی بہترین اُمت کے اولیاء پر، خصوصاً علوم نبوی کے ظاہری و باطنی وارث، واقف مقاماتِ رسالت غوث الثقلین، قطب کونین، خاندانی بزرگ، شریف النسب، قطب ربانی غوث صمدانی، محبوب سبحانی، ہیکل نورانی، صاحب ارشادات و معانی، سیدنا و سندنا و ہادینا و مرشدنا سید شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی اور ان کی پاک اولاد، ان کے مویدین اور محبین

اور ان تمام لوگوں پر جو ان کی جانب اپنی نسبت کریں، قیامت تک" اما بعد۔

انتہائی فضل و احسان والے ربّ کریم نے جب اس ضعیف الحال، کمزور دل بندہ پر احسان فرمایا اور چھٹی مرتبہ اپنے سب سے بڑے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم بزرگ ترین دوست، کائنات کے سب سے بڑے رہنما ہمارے باپ آدم ؑ کے وسیلۂ نجات، ان تمام لوگوں کے لئے جو ان سے پہلے گذر گئے یا اُن کے بعد آئیں گے فیضانِ علوم و اسرار کے وسیلہ سیدنا و مولانا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قبر پاک کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی۔ میں مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوا اور اس سال ۹ محرم الحرام کو مواجہ شریف کی زیارت کا شرف میں نے حاصل کیا۔ زیارت کے بعد مسجد نبوی سے نکلنے سے پہلے مجھ سے عالم فاضل، جامع فضائل، بہترین عادتوں اور عمدہ خصلتوں والے مولوی مولانا محمد کریم اللہ سلمہٗ نے ملاقات کی۔ میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا اور اس ملاقات کو میں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھا۔ دورانِ گفتگو رسالۂ مرضیہ، عجالۂ بہیہ، ذات التحقیقات الفائقہ والتدقیقات الرائقہ والمحاسن الجلیہ والمعارف العلیہ یعنی" الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" کا تذکرہ نکلا جو اعلم علمائے زمان وافقہ فقہا دوراں عالم و حامی سنت، قامع متبدی و بدعت، مجدد مادۂ حاضرہ، موید ملت طاہرہ، محمود الفضائل محسود الافاضل، جنہوں نے اپنی ذات کو دین متین کی مدد کے لئے وقف کر دیا ہے اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تحفظ میں سرگرم ہیں اور اللہ کے راستہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور محبوب ربّ العٰلمین کی نعت گوئی میں جنہوں نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا، حُبّ نبوی میں جو ہمہ وقت گم ہیں نعت گوئی کے سمندر سے ایسے ایسے موتی انہوں نے نکالے جن کی قیمت دنیا اور آخرت میں نہیں لگائی جا سکتی۔ وہ اس کے اہل ہیں کہ ان کے نام سے قبل اور بعد میں کوئی بھی فضیلت کا خطاب لگایا جائے یعنی مولانا عبد المصطفےٰ الشیخ احمد رضا خان صاحب حنفی قادری جن کے علم ظاہر و باطن کا اعلان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو چکا، اللہ ان کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ان کے وجود باجود سے تمام استفادہ کرنے والے اور فیض اٹھانے والے قیامت تک فیضیاب ہوتے رہیں۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اجمعین۔

مجھے اس رسالہ کے مطالعہ کا بہت دنوں سے انتہائی شوق و اشتیاق تھا جس میں مولوی مذکور کے ذریعہ مجھے کامیابی حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف نیز ہم سب کی نیکیوں میں اضافہ فرمائے۔ اس کے مطالعہ سے مجھے انتہائی لطف حاصل ہوا جس کا اظہار نہ ہی نوک زبان سے ہو سکتا ہے اور نہ نوک قلم سے۔ اپنے بے حد محاسن کی وجہ سے رسالہ بہت پسند آیا اور مجھے اس کی سماعت بہت بھلی لگی۔

میرا سینہ کشادہ ہوگیا اور میرے دل و دماغ منور ہوگئے اور میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ مولف بے علم نہیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ بعض معاصرین نے یہ بات جو پھیلائی ہے کہ اس رسالہ کا مؤلف علم سیدالمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اور علم رب العالمین جل وعلا کی مساوات کا معتقد اور قائل ہے محض حسد اور عداوت کی وجہ سے ہے وہ لوگ جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور غبار حسد ان پر چھا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو جان لینا چاہیئے کہ حسد سے جسد (جسم) ہلاک ہو جاتا ہے اور حاسد کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ — خود ہی مؤلف کے فضائل کی تشہیر چاہتا ہے۔ حاسدوں کی زبان اس کے لئے دراز ہے قوم کی ایسی برائی کا اللہ سے ہی شکوہ ہے جو بہتان اور جھوٹ کے مرتکب ہو کر اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے غافل ہیں کہ "اِنما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون"۔ لوگوں کے افعالِ قبیحہ میں سے وہ فعل انہوں نے اختیار کیا ہے جس کا انہیں علم ہے کہ یہ دینی اعتبار سے بہتان ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی وہ غافل ہیں ——

"اِن الذین یؤذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبو فقد احتملوا بہتانا و اثما مبینا"۔ اور اگر ان کی آنکھوں پر حسد اور بغض و عداوت کا پردہ نہیں پڑا ہے تو انہیں یہی نگاہ میں وہ کچھ دیکھنا چاہیئے جس کا علامہ مولف نے رسالہ شریفہ میں مختلف مواقع پر ذکر کیا ہے اور اس کو واضح کیا ہے جو ان کے احمقانہ اعتراضات کو باطل کر دے گا۔ یعنی علم ذاتی مخصوص ہے ذاتِ پروردگار عالم کے لئے اور غیر اللہ کے لئے ممکن نہیں۔ اور جو شخص بھی اس کو کسی کے لئے ثابت کرے خواہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں ایک ذرہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو وہ کافر ہے اور اس نے شرک کیا۔

اس رسالہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ تمام کا تمام علم لامتناہی رب تبارک و تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور یہ بھی کہ مخلوقات میں سے کسی کا بھی علم الٰہی کا کسی طرح بھی احاطہ کرنا شرعاً اور عقلاً ہر طرح محال ہے بلکہ اگر کوئی شخص تمام دنیا کے علوم از اول تا آخر جمع کرلے تو علم الٰہی کے مقابلہ میں لاکھوں سمندروں کے لاکھوں حصہ کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ تیسری جگہ یہ بھی واضح طور پر تحریر کر دیا ہے کہ کسی مسلمان کے دل میں کسی وقت بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ مخلوقات کا علم ہمارے رب کے علم سے مساوی ہے اور قطعی دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مخلوقات کا علم الٰہیہ کو احاطہ کرنا عقلی اور سمعی دونوں اعتبار سے محال ہے چوتھی جگہ پھر تحریر کیا ہے کہ علم ذاتی مطلق محیط تفصیلی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کیلئے مخصوص ہے اور بندوں کے لئے صرف علم عطائی ہے۔ پانچویں جگہ پھر تحریر کیا ہے ہم نہ تو علم الٰہی سے مساوات اور نہ اس کے کسی حصہ کے حصول کے قائل ہیں اور سوائے اس علم کے جو عطائے الٰہی سے حاصل ہو ہم دوسرے علوم کے عطائے الٰہی کو ثابت بھی نہیں کرتے۔ الخ

تو پھر وہ دعوئے مساوات کہاں ہے جس کی لوگ خواہ مخواہ تشہیر کرتے ہیں۔

اللہ ان کو قتل کرے جو جھوٹی تہمت لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنا انجام سوچ لینا چاہیئے جو نبی اللہ الامین المامون کے علم ماکان و مایکون کے منکر ہیں۔

شیخ الامام، علامۃ الاعلام، قدوۂ اہلِ تحقیق، عمدۂ ذوی النظر والتدقیق، فقیہہ، محدث، صوفی مولائی، الشریف، ابو عبداللہ محمد بن جعفر الحسنی الادریسی مشہور بہ کتانی المغربی، نزیل مدینۃ المنورہ المالکی، اللہ تعالیٰ ان کی حیات طویل سے ہم کو فائدہ پہونچائے اور ہم نیز ساری دنیا ان کی کتاب نظم المتناثر من الحدیث المتواتر سے فیض اُٹھائے۔ انہوں نے بڑی تحقیق سے ایسی احادیث جمع فرمائی ہیں جن میں مغیبات اور ان کی خبروں پر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا درج ہے۔ ان کو قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفا میں تواتر کے ساتھ درج کیا ہے اور قاضی عیاض نے اس کی چھان بین کی ہے اور لکھا ہے کہ اسی طرح غیب کی خبریں اور ان کی اطلاعات اور جو کچھ ہو چکا اور جو ہوگا وہ سب کی سب ان کو معلوم ہیں اور ان کے معجزات سے ہیں" اس کے

بعد انہوں نے " فصل ما اطلع علیہ من الغیوب وما یکون " میں کہا ہے کہ یہ کوئی کہانی نہیں ہے اور اس باب میں احادیث اس قدر ہیں گویا کہ ایک سمندر ہے جس کی تھاہ نہیں پائی جا سکتی۔ کوئی اس کو ایک گھونٹ پانی نہ سمجھے۔ یہ بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو ہر شخص جانتا ہے روات متعددہ سے تواتر اور کثرت کے ساتھ اس طرح روایتیں ہم تک پہونچی ہیں۔ ہر روایت میں اطلاع علی الغیب پر معنیً اتفاق پایا جاتا ہے۔

جواہر المعانی میں حضرت ابوالعباس تجانی رضی اللہ عنہ کا ایک جواب منقول ہے اللہ تعالیٰ کی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں جو سید کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی کہ " ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان۔ اس میں انہوں نے بہت کچھ چھان پھٹک کی ہے اور اخبار و آثار اور احادیث کی کتابوں نے ان تمام خبروں کے متعلق مدافعانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت میں اپنے بعد قیامت تک آنے والے ہر معاملہ کو تفصیلاً بیان فرما دیا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے میں نے ملاحظہ نہیں کیا۔ میں نے اپنی اسی جگہ ہر چیز دیکھ لی ہے یہاں تک کہ جنت، دوزخ بھی " اور بہت سی متواتر حدیثیں ایسی بھی ہیں جن سے کسی مسلمان کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ وَالسَّلام۔

(نظم التناثر کی عبارت ختم ہوئی)

اس سلسلہ میں اکابر امت اور عظماء ملت کی تصانیف سے بہت سی شہادتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور عالم کبیر، عارف شہیر، جامع صفات سنیّہ و فضائل بہیّہ و خصائل ملکیّہ و شمائل مرضیہ، مولانا شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی بیروتی (اللہ ان کی حیات میں کشادگی عطا فرمائے اور ان کی عمر شریف میں برکت دے اور ان کے فضل و بزرگی میں بہت بہت اضافہ فرمائے) نے اپنی ایک سے زیادہ تالیفات میں مختلف مواقع پر جو کچھ تحریر فرمایا اگر ہم صرف اسی کو ایک جگہ جمع کر دیں تو اس کی بھی ایک بہت ضخیم جلد تیار ہو جائے گی۔ اس

وقت ہم صرف اسی کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو "جواہر البحار فی فضل النبی المختار" میں
سید عبداللہ مرغینی حنفی طائفی قدس سرہٗ نے "شرح الصلوٰۃ" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے "۔
"قول مصنف کی شرح سے ماخوذ ہے"۔ اور آدم (علیہ السّلام) کو جو علوم عطا کئے گئے ان کی
اس تشریح سے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تو حیرت زدہ رہ گئے۔ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے باپ آدم (علیہ السّلام) کو علوم
عطا فرمائے گئے یعنی علوم کی وہ حقیقتیں بتائی گئیں جن کے اسماء کا علم (حضرت) آدم کو عطا فرمایا گیا
تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے۔ "وعلّم آدم الاسماء کلھا" اور یہ وہی علوم ہیں جو
علوم قرآنی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ مافرطنا فی الکتاب من شیٔ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔
"ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ"۔ اور مصنف نے اس سلسلہ میں بہت سی
حدیثیں اور آثار کا ذکر کیا اور کہا کہ بہت سے علماء محققین نے یہ کہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے
غیب کا سارا علم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمادیا تھا۔ یہاں تک کہ علوم کا وہ پانچواں حصہ بھی
جو عطائے الٰہی سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا آخر عمر شریف میں سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا
فرمادیا۔ لیکن ان امور میں بعض کے افشاء اور بعض کے اخفاء کا حکم فرمایا۔

علم حقائق اشیاء اور علم الاسماء نیز ادراکِ مقصود اور ادراکِ وسائل میں بہت فرق ہے لیکن
جبکہ سرکار اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہی مقصود تھی آپ کیوں حقائق وجود کی جانب
متوجہ نہیں ہوئے ؟ اور حضرت آدم علیہ السّلام ہی جبکہ وسیلہ تھے انہیں مقام وسیلہ ہی پر کیوں
ٹھیرایا گیا ؟ ؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی ذات والا پاک ہے۔ اس کے معاملات
میں عقلیں متحیر ہیں اور اس کے اسرارِ عجائب بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ بوصیری کو بزرگی عطا
فرمائے جنہوں نے کہا کہ " آپ ہی (صلے اللہ علیہ وسلم) عالم غیب کی باتوں کا علم رکھتے ہیں اور
ان ہی میں سے حضرت آدم (علیہ السّلام) کا اسماء اشیاء کا جاننا ہے"۔ اور اسی لئے بعض محققین

سے نے یہ کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کا سربسجود ہونا نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا جو جبینِ آدم میں روشن تھا (جوار البحار کی عبارت ختم ہوئی)

اور اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہمارا مدّعا ہے بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وان کی آل وان کے اصحاب اوران کے اولیا واحباب کے۔ خاص کر آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اولاد اور آپ کے جسمانی وروحانی وارث، ظاہری وباطنی، پوشیدہ وعلانیہ، حسبًا نسبًا، اصلاً وسببًا، غوث اعظم سید الشیخ محی الدین عبد القادر الجیلانی قدس سرہٗ النورانی، اس مولف جلیل الشان کے لئے اور اہل ایمان میں سے جو ان کو محبوب رکھے یا جو ان کی مدد و معاونت کرے۔

اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولف کو اور ہم سب کو اپنے خاص مقربین میں شامل فرمائے اور خیر الانام علیہ وعلی آلہ وصحبہ وتابعیہ وحزبہ افضل الصلوٰۃ واشرف السلام کے جوارِ پاک میں ہمارا انجام بخیر فرمائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور ہماری دعا قبولیت کے لائق ہے۔

اپنے رب معید و مُبدی کی رحمتوں کے امیدوار، بندۂ محتاج، ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السندسی البکری نسب، حنفی مذہب، قادری مشرب نے یہ عبارت نہایت عجلت و شرمندگی کے ساتھ ماہ مبارک شہر ولادت باسعادت یعنی ربیع الاول شریف کی ۱۴ تاریخ ۱۳۳۰ھ کو مدینہ منورہ میں تحریر کی۔

منگتا کا ہاتھ اُٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دُوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے
سُنکی وہ دیکھ بارِ شفاعت کہ دے ہوا
یہ آبرو رضا ترے دامانِ تر کی ہے

خلافتِ شرعیہ کے لیے قرشی ہونا شرط ہے

دوام العیش

فی الائمۃ من قریش

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ

تقدیم: پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی

مکتبہ رضویہ ۱۱۱۔ اچنت گڑھ انجن شیڈ لاہور

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری

اعلیحضرت کی تاریخ گوئی

مجدد ملت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخ گوئی میں جتنا کمال حاصل تھا اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں تاریخیں کہی ہوں گی۔ اس حقیقت کے باوجود ہمیں اپنی اس کوتاہی کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی کہی ہوئی تمام تاریخوں کو منظرِ عام پر لانے کی ماضی میں کما حقہٗ کوشش نہیں کی گئی تھی۔ جو تاریخیں بعض مطبوعات میں ملتی ہیں ان کی نسبت یقیناً ایسی تاریخیں بہت زیادہ ہوں گی جنہیں ممکن ہے ضبطِ تحریر میں تو لایا گیا ہو لیکن منظرِ عام پر لانے کی کوشش نہیں کی گئی ہو گی۔

جہاں غیر مطبوعہ تاریخوں تک احقر کے لیے رسائی ناممکن ہے وہاں تمام مطبوعہ تاریخوں کا جمع کر لینا بھی میرے جیسے گوشہ نشین انسان کے لیے بہت مشکل ہے۔ اس مختصر سے مقالے میں بطورِ نمونہ کچھ تاریخی مادے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ایک جانب حوصلہ مند حضرات کو زیادہ سے زیادہ تاریخیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہو اور دوسری جانب قارئین کرام کو یہ اندازہ کرنا آسان ہو جائے کہ اس صدی کے مجدد برحق کو فنِ تاریخ گوئی میں کس درجہ کمال حاصل تھا۔

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والدِ ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) کی تاریخِ ولادت کے آٹھ تاریخی مادے نکالے تھے جو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ جاء ولی نقی الثیاب علی الشان

۶۔ بری من الخوف والکلف

۲۔ رضي الاعمال بهی المکان
۳۔ هواجل محققی الافاضل
۴۔ شهاب المحققین الاماثل
۵۔ قمر فی برج الشرف
۷۔ افضل سباق العلماء
۸۔ اقدام حذاق الکرما

۲

اپنے جد امجد مولانا رضا علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کی قرآن کریم سے ایسی ایمان افروز تاریخ وفات نکالی جو اولیاء اللہ کا مقدر ہوتی ہے اور جو اللہ والوں کی اخروی زندگی کا وہ قابل رشک نقشہ ہے جو اللہ کے کلام معجز نظام نے کھینچا ہے۔ یہ وہ قرآنی تاریخ پڑھیے اور لطف اٹھاتیے۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؏

۳

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی تھی۔ سن شعور کو پہنچے تو آپ نے قرآن کریم سے اپنی ولادت کی تاریخ نکالی۔ تاریخ کیا نکالی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قدرت نے اس صدی کے مجدد برحق سے تاریخ پیدائش کے لیے وہ آیت لکھوائی جس کے کوزے میں آپ کے حالات وکمالات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ نگاہ بصیرت رکھنے والے حضرات اس قرآنی تاریخ کے ہر لفظ کے اندر چھپے ہوئے بحر معانی میں غوطہ لگا کر سرمایۂ ملت کے اس نگہبان کے حالات وکمالات سے مطابقت کر کے فضل خداوندی اور عنایت مصطفوی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے واقعات کی روشنی میں کریں۔ لیجئے وہ ایمان افروز تاریخ یہ ہے۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ؎

۱؎ محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۱۸

۲؎ بدر الدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰحضرت، مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۶۸، ۱۶۹۔

دل میں ایمان ثبت ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے اس صدی میں ہدایت کا ایسا نشان بنا دیا کہ جن افراد، گھرانوں یا اداروں کو آپ سے علمی، اعتقادی یا روحانی تعلق ہے

۴

آپ کے والد ماجد، مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان افروز کتاب سرور القلوب فی ذکر المحبوب ۱۲۸۸ھ میں مکمل ہوکر زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔ سولہ سالہ مجدّد کے اس پر دو تاریخی قطعے شائع ہوئے، جن میں سے ایک فارسی اور دوسرا اردو میں ہے۔ ان قطعوں کی روشنی میں سولہ سالہ مجدّد کا فنی کمال ملاحظہ ہو۔

شد چو مطبوع ایں کتاب عجیب
بود در فکرِ سال طبعِ رضا

ناگہاں داد ہاتفش آواز
ذکرِ ہادی چہ مرہمِ جانہا
۱۲۸۸ھ

دیگر

میرے والد نے جب کیا تصنیف
یہ رسالہ بوصفِ شاہِ ہدیٰ

جس کا ہر صفحہ تختۂ فردوس
ہر ورق برگِ سدرہ و طوبیٰ

گیسوئے حور، سوادِ حروف
مردمِ چشمِ حور، ہر نقطہ

یا قلم اس کا ابرِ نیساں ہے
ہر ورق اس کا علم کا دریا

ہر سطر رشکِ موجِ صافی ہے
دائروں کو صدف لکھوں تو بجا

نقطے جن کے ہیں گوہرِ شہوار
قیمت ان کی ہے جنت الماویٰ

سال تالیف میں رضاؔ نے کہا
وصفِ خلقِ رسولِ اُمّی کیا
۱۲۸۸ھ

۵

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد، شیخ سیّد آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۲۹۶ھ میں وصال ہوا۔ آپ نے اپنے مرشدِ کامل کے وصال کی مختلف

تاریخیں کہیں، پہلے دو تاریخی مادے ملاحظہ ہوں :۔

۱۔ تواریخ الاولیاء ۱۲۹۶ھ ۲ رضی اللہ عنہ والمحبوب ۱۲۹۶ھ

دیگر

خذ التاریخ فی التوشیخ نظما یلوح کانہ البدر المنیر

وخذ من کل قطر مثل سطر تکن ستّا ولیس لہ نظیر

۹۶ ۱۲ ۹۶ ۱۲

ولی طاھر برّ امام وصول طیّب بدر امیر

۹۶ ۱۲ ۹۶ ۱۲

دیگر

ذیل کے مربع سے بھی سید آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی سولہ تاریخیں مستخرج ہوتی ہیں کیونکہ اس مربع کی جتنی چالیں ہیں اتنی ہی تاریخیں نکل آئیں گی۔ ذرا فنِ تاریخ گوئی کا یہ کمال تو ملاحظہ ہو اور یہ بھی مدِ نظر رہے کہ تاریخ کہنے والے نابغۂ عصر و عبقری کی عمر صرف چوبیس ۲۴ سال ہے۔

مربع یہ ہے :۔

لہ

اجود قرب ۳۱۶	اصفی عمل ۳۲۱	واصل برب ۳۳۱	طارم محل ۳۲۸
انقی صفا ۳۳۲	آل رسول ۳۲۷	اشبد مجد ۳۱۷	بحر سمی ۳۲۰
جانِ عرب ۳۲۶	آں روح دین ۳۲۹	اصفی الثنا ۳۲۳	فرد اجل ۳۱۸
اُفق العلی ۳۲۲	نورِ ہجی	شاہِ ہُدیٰ ۳۲۵	کنفِ صفی ۳۳۰

۶

۱۲۹۶ھ میں سید آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ سید ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) سجادہ نشین ہوئے فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سجادہ نشینی کی دو تاریخیں نکالیں ۔

۱۔ تبیت بیت بخیی ۔ ۱۲۹۶ھ

۲۔ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ ۔ ۱۲۹۶ھ [۱]

۷

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرانِ پیر سید حمزہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۱۹۸ھ میں وصال ہوا تھا۔ آپ نے غالباً ۱۲۹۶ھ میں قرآن کریم سے ان کے وصال کی یہ تاریخ نکالی تھی ۔

اُدْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ [۲]

۸

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۲۹۷ھ میں وصال ہوا تھا۔ مجدد مایۂ حاضرہ قدس سرہٗ نے ان کے وصال کی متعدد تاریخیں نکالیں جو آپ کی فنی مہارت کی واضح شہادت دے رہی ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف گیارہ تاریخیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ وَ اُدْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ وَ عِبَادِیْ ۔ ۱۲۹۷ھ

۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہِ الْوَھَّاب ۱۲۹۷ھ [۳]

۳ - کان نہایۃ جمع العظماء ۱۲۹۷ھ

۴ - خاتم اجلۃ الفقہاء ۱۲۹۷ھ

۵ - آمین اللہ فی الارض ابدا ۱۲۹۷ھ

۶ - ان موتۃ العالم موتۃ العالم ۱۲۹۷ھ

۷ - وفات عالم الاسلام ثلمۃ فی جمیع الانام ۱۲۹۷ھ

۸ - خلل فی باب العباد لا ینسد الی یوم القیام ۱۲۹۷ھ

۹ - یا غفور ۱۲۹۷ھ

۱۰ - کمل لہ ثواب یوم النشور ۱۸ منحہ ۱۲۹۷ھ

۱۱ - جنۃ اُعدت للمتقین ۱۲۹۷ھ[1]

۹

کتاب نگارستانِ لطافت ۱۳۰۲ھ میں تالیف ہوئی جیسا کہ اس تاریخی نام سے خود عیاں ہے۔ فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے دو تاریخی قطعے لکھے جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یافت حسن حُسنِ تحسین — از حسان در ذکرِ حسین
گفت رضا تاریخ چنیں — نعت اشرف قبلۂ دین
۱۳۰۲ھ

دیگر

دل وجانم حسن حسن گفت و دُر سفت — بر سلکِ مدحتِ میلادِ اقدس
شُنیدم نغمہ می زد بُلبلِ خلد — مبارک شادیٔ نعتِ مقدس

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۱۴۷۔

۱۰

۱۳۱۰ھ میں آپ کے پیرو مرشد سید آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کا مکہ مکرمہ میں وبائی مرض سے انتقال ہو گیا۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک طویل تاریخی قطعہ لکھا جس کے آخری چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

من بندہ رضا کہ خانہ زادم — چوں گوش بسوئے دل نہادم

محزوں زغمش فسانہ میگفت — دروے درے سال می شگفت

می داشت ملاتلِ سیادت — ہم یافت بہم حج و شہادت

ذو رحمتِ فاطمہ بروحش — روحے ملکی پر فتوحش

فی الخلد تحسنن الیہا — رضوان واسعۃ علیہا

۱۱

مولانا محمد اسماعیل قادری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۳۱۷ھ میں وصال ہوا جو رسالہ مبارکہ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین کا سالِ تصنیف و طباعت ہے۔ فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے وصال کی نو تاریخیں جملوں کی صورت میں نکالیں۔ اس کے بعد دو قطعے لکھے۔ پہلے قطعے کے ہر شعر سے تاریخ برآمد ہوتی ہے اور دوسرے قطعے کے ہر مصرعے سے۔ جملہ پچیس تاریخیں ہیں جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱. حمد اله وصلوٰۃ علی محمد الحکیم ۱۳۱۷ھ

۲. رقعۃ التاقیت ۱۳۱۷ھ

۳. عام وفات العلم الثبت ۱۳۱۷ھ

۴. الفاضل الکامل المحسن الجلیل ۱۳۱۷ھ

۵. المرضی الاجل اسمٰعیل ۱۳۱۷ھ

۶. معانی الجل شاذ لی الحسب ۱۳۱۷ھ

۷. قادری القدر اجل المرتب ۱۳۱۷ھ

۸۔ افادداالودود علیہ احسانہ الجسیم ۱۳۱۷ھ

۹۔ والسق اسمٰعیل بخدمہ ابراہیم ۱۳۱۷ھ

قطعہ

اُسمٰعیل اسمٰعیل سنہ ۱۳۱۷ھ	احامی حالہ من کل نتنہ ۱۳۱۷ھ
اُاسمٰعیل اسمٰعیل صدق ۱۳۱۷ھ	ارادع کل مین عین فطنہ ۱۳۱۷ھ
اُاسمٰعیل اسمٰعیل حق ۱۳۱۷ھ	اتاك الحق نکتب کل محنہ ۱۳۱۷ھ
لاسمٰعیل عنداللّٰہ ان شار ۱۳۱۷ھ	واحدہ بمسکومۃ ومنہ ۱۳۱۷ھ
الالا یبکین نعقل سعد ۱۳۱۷ھ	اینقم رجع نفس مطمئنہ ۱۳۱۷ھ
رواح المرواح من کنف لسنی ۱۳۱۷ھ	کزنۃ انجلی منہا ابن مزنہ ۱۳۱۷ھ
ستاہ ونفعہ باق بہیًا ۱۳۱۷ھ	فقطرہ دجنہ وتمیردجنہ ۱۳۱۷ھ
یزف الی جنان عفو ۱۳۱۷ھ	لانوار و اطیارمرنّہ ۱۳۱۷ھ
یحف بہٖ ملئکۃ اعزہ ۱۳۱۷ھ	باجنحۃ کسحب مرتعنہ ۱۳۱۷ھ
وان اسئل لاسمٰعیل منہم ۱۳۱۷ھ	اجب تقہ بنول اللّٰہ الّہ ۱۳۱۷ھ
لاسماعی لاسمٰعیل مدعا ۱۳۱۷ھ	حلاوۃ لمجانستہ دخلاوۃ لجنہ ۱۳۱۷ھ

دیگر

ینق فی تاریخ رحلتہ الرضا ۱۳۱۷	سحاب میح السفح سواك بلّت ۱۳۱۷
بعد فی نعال فتروا فضل منزل ۱۳۱۷	واشرف نزل حزداد ذق تلہ ۱۳۱۷
وقتك موا فی اللطف کل کریھۃ ۱۳۱۷	سقتك سوا فی الواف ارج طلّہ ۱۳۱۷

ہیں اور اسی لیے آپ نے اس فتاوے کو "العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ" کے نام سے موسوم کیا تھا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اکثر تصانیف کے

لہ ظفرالدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت، ص ۱۴۴

نام تاریخی تجویز فرمائے تھے اور تاریخی نام بھی ایسے باکمال اور حیرت انگیز کہ نام پڑھتے ہی فوراً تین باتوں کا پتہ لگ جاتا ہے۔

۱۔ وہ کتاب کس سن ہجری میں لکھی گئی۔

۲۔ کتاب کا نفسِ مضمون کیا ہے۔

۳۔ اس مسئلے میں مصنف کا موقف کیا ہے۔

آپ کی اکثر تصانیف کے تاریخی ناموں سے جہاں اسلامی عقائد و نظریات اور شرعی ادب و احترام کی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر اہل ایمان کے دماغوں کو فرحت اور ایمانوں کو جلا بخشتی ہے وہاں ان میں ادبی لطافت بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ مثلاً آپ کی ایک کتاب کا نام :- "الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوۃ علی بنی ھاشم" ہے۔ یعنی کلیاں اس بات پر مسکراتی ہیں کہ بنی ہاشم پر زکوۃ لینا حرام ہے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخ گوئی میں کمال دکھانے کی غرض سے ہم آپ کی صرف چالیس ۴۰ کتابوں کے نام ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ہر کتاب کے ساتھ اس کے متعلق مذکورہ تینوں امور کی مختصر سی وضاحت بھی کر دی جائے گی کہ یہ کتاب کس سن میں لکھی گئی؟ کتاب کا نفسِ مضمون کیا ہے اور بحث کے اس موضوع کے بارے میں مصنف کا موقف کیا ہے۔ وباللہ التوفیق

۱۔ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ (۱۲۹۷ھ)

۲۔ اجلال جبریل بجعلہ خادما للمحبوب الجمیل (۱۲۹۸ھ)

۳۔ اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامۃ (۱۲۹۹ھ)

۴۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین (۱۳۰۱ھ)

۵۔ الھاد الکاف فی حکم الضعاف (۱۳۰۱ھ)

۶۔ احلی من السکر لطلبۃ سکر روسر۔ (۱۳۰۳ھ)

۷۔ انوار الانتباہ فی حل ندا یارسول اللہ (۱۳۰۴ھ)

۸۔ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ)

۹۔ انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)
۱۰۔ حیات الموت فی بیان سماع الاموات (۱۳۰۵ھ)
۱۱۔ اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (۱۳۰۵ھ)
۱۲۔ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ)
۱۳۔ الیاقوت الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ (۱۳۰۹ھ)
۱۴۔ بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز (۱۳۱۱ھ)
۱۵۔ الامن والعلیٰ لنا عتی المصطفیٰ بدافع البلا (۱۳۱۱ھ)
۱۶۔ سلب الثلب عن القائلین بطہارۃ الکلب
۱۷۔ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ (۱۳۱۲ھ)
۱۸۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین (۱۳۱۳ھ)
۱۹۔ القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ (۱۳۱۳ھ)
۲۰۔ الفضل الموہبی فی معنیٰ اذا صح الحدیث فہو مذہبی (۱۳۱۳ھ)
۲۱۔ الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ)
۲۲۔ جمان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج (۱۳۱۶ھ)
۲۳۔ الجام الصاد عن سنن الضاد (۱۳۱۶ھ)
۲۴۔ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۷ھ)
۲۵۔ مالی الجیب بعلوم الغیب (۱۳۱۸ھ)
۲۶۔ اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان وما یکون (۱۳۱۸ھ)
۲۷۔ انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ (۱۳۱۸ھ)
۲۸۔ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

۲۹۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (۱۳۲۴ھ)

۳۰۔ حسن التعمم لبیان حد التیمم (۱۳۲۵ھ)

۳۱۔ تمہید ایمان بآیات القرآن (۱۳۲۶ھ)

۳۲۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (۱۳۳۰ھ)

۳۳۔ تدبیر فلاح و نجات و اصلاح (۱۳۳۱ھ)

۳۴۔ احلی الاعلام ان الفتوی مطلقاً علی قول الامام (۱۳۳۴ھ)

۳۵۔ قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید الماء (۱۳۳۵ھ)

۳۶۔ الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ (۱۳۳۵ھ)

۳۷۔ السنیقۃ الانیقہ فی فتاوی الافریقہ (۱۳۳۶ھ)

۳۸۔ الاستمداد علی اجیال الارتداد (۱۳۳۷ھ)

۳۹۔ الذبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ (۱۳۳۷ھ)

۴۰۔ المحجۃ الموتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ)

ہوں شفاعت سے فارغ شفیع الوریٰ
آئے ہر سمت سے جب نوید عطا
ہیں جو قسمت سے پہنچوں بہ زیر لوا
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں! رضا
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

(تضمین: شمس بریلوی)

وَمَن یُّؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیراً کَثِیراً

رسالۂ عجیبہ

در

ردِّ فلسفۂ قدیمہ

موسوم بہ

الکلمۃ الملھمۃ

از افادات مجددِ مائۃ حاضرہ امام علوم عقلیہ و نقلیہ اعلحضرت عظیم البرکۃ الحاج مولٰنا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ القوی

جسکو

کتبخانہ سمنانی اندرکوٹ میرٹھ نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں طبع کرایا

قیمت فی جلد ۱۲ روپے

سید ریاست علی قادری بریلوی

مجدّد ملّت امام احمد رضا بحیثیت سائنسداں حکیم اور فلسفی

علم و سائنس پر مسلمانوں نے جو احسانات کئے ہیں اور جس طرح شمع علم کو روشن رکھنے کی کوشش کی ہے اس کا اندازہ علم و سائنس کی ان بے شمار کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ورثے میں چھوڑی ہیں۔ علوم و فنون کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں مسلمان عالموں اور سائنسدانوں نے کوئی نہ کوئی یادگار تصنیف نہ چھوڑی ہو۔ سائنسی علوم پر تو مسلمان عالموں اور سائنسدانوں کی شہرۂ آفاق تصانیف خصوصیت کے ساتھ آج بھی یورپ اور مغربی ممالک میں کلیدی اہمیت کی حامل ہیں اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ریاضی ہو یا ہیئت، طب ہو یا قانون، طبقات الارض ہو یا طبعیات، منطق ہو یا فلسفہ، کیمیا ہو یا نجوم، فلکیات ہو یا ارضیات، غرض وہ کون ایسا علم و فن ہے جس میں مسلمان سائنسدانوں نے تحقیق نہ کی ہو اور ریسرچ کی نئی راہیں نہ کھول دی ہوں۔ موجودہ دور کی سائنسی ترقی اور ایجادات مسلمان سائنسدانوں اور موجدوں کی علمی و تحقیقی کاوشوں کی مرہونِ منت ہیں۔ ابن الہیثم نے بصارت اور علم المناظر کے میدان میں اپنے پیش رو اور ہمسر سائنسدانوں کے نظریات کو باطل قرار دے کر بصارت اور روشنی کے ٹھوس اور مثبت دلائل پیش کرکے نہ صرف دنیا میں تہلکہ مچادیا بلکہ وہ کچھ دیا جس سے آج پوری عالمی برادری فیضیاب ہو رہی ہے۔ ابن الہیثم کا ان عالموں میں شمار ہوتا ہے جو فلسفہ کے ساتھ ساتھ ہیئت، ریاضی اور طب کے بھی ماہر تھے۔

ابن الہیثم کی تحقیقات کا دائرہ زیادہ تر روشنی اور شعاعوں پر محیط ہے۔ حیرت ہے

کہ اس نے روشنی کی ماہیئت، انعکاس نور، اور انعطاف نور کے متعلق دسویں گیارھویں صدی میں جو تصورات پیش کیے تھے اور جو کلیات وضع کیے تھے وہ آج بھی درست ہیں؛ جابر بن حیان وہ پہلا کیمیاداں تھا جس نے مادہ کو ارسطو کے عناصر اربعہ، آگ ہوا پانی اور مٹی کے طلسم سے نکالا، اور اُسے گرمی، سردی خشکی اور نمی کی صفات سے متصف کر کے جوہری نظریہ کو جدید بنیادوں پر استوار کیا۔

سولہویں صدی عیسوی کے یورپی کیمیاداں جابر بن حیان کی تعلیمات سے اتنا متاثر ہوئے کہ برسٹل کا نامور انگریز کیمیاداں وان ٹامس مارٹن اپنے آپ کو جابر کا بادرچی کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ الخوارزمی صرف اسلامی دنیا کا ہی نہیں بلکہ مغربی دنیا میں بھی تسلیم شدہ ریاضی داں تھا۔ ہیئت اور حساب میں اپنے وقت کا امام تسلیم کیا جاتا تھا۔ کیپلر اور کاپرنیکس نے الخوارزمی ہی کی معلومات پر اپنی تحقیق اور تجربوں کو آگے بڑھایا۔ طب کے میدان میں الطبری نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ دنیائے طب ہمیشہ اس کی احسان مند رہے گی۔ بوعلی سینا سے کون واقف نہیں جس نے "القانون فی الطب" لکھ کر دنیائے طب پر عظیم احسان کیا اس کی یہ تصنیف دنیائے طب یعنی میڈیکل سائنس میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ الفرغانی جیسا مایہ ناز انجینیئر اور ماہر فلکیات جس نے زمین کا قطر معلوم کرنے کے لئے رصدگاہ تعمیر کرائی اور آنے والے محققین کے لئے نئی راہیں کھول دیں۔ امام رازی ایک زبردست ماہر طب تھے جو بابائے طب (بابائے میڈیسن) کہلائے وہ وہ مشرق کی نسبت مغرب میں زیادہ مشہور ہوئے۔

الفارابی نے موسیقی کو سائنسی بنیادوں پر استوار کر کے موسیقی اور سازوں کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا الزہراوی اسلامی دنیا کا عظیم ترین سرجن تھا جس کی

کتابیں سترھویں صدی عیسوی تک سرجری کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھیں، طبقات الارض کا عظیم اور نامی گرامی ماہر البیرونی وہ پہلا سائنسداں تھا جس نے یہ کہا کہ دریائے سندھ کی وادی کسی قدیم سمندر کا ایسا طاس ہے جو رفتہ رفتہ مٹی سے بھر گیا۔ آج بیشتر طبقات الارض کے ماہرین جدید آلات اور سہولتوں کے حصول کے بعد البیرونی کے اس نظریہ کی تائید میں ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کے بڑے بڑے ریگستان کسی زمانے میں سمندر کے طاس تھے۔ عمر خیام کی کتاب "الجبر و مقابلہ" ساری دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہم اس عظیم سائنسداں کو صرف ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ امام غزالی کے آگے ارسطو اور افلاطون طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ امام غزالی نے یونانی فلسفے کی دھجیاں اڑا کر اسلامی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ ابن رشد کو دیکھیے کہ وہ نہ صرف مشرقی دنیا بلکہ مغربی دنیا کا بھی حکیم کہلایا۔ فلسفہ کا جو تعلق مذہب سے ہے اس کی جھلک ابن رشد کے ان فتووں میں بخوبی نظر آتی ہے جو اس نے قرطبہ کے قاضی کی حیثیت سے صادر کئے تھے۔

چودھویں صدی کے نصف میں ہندوستان میں بھی ایک ایسا عظیم الشان سائنسداں پیدا ہوا ہے جس کو لوگ فقیہہ اعظم امام وقت، چودھویں صدی کا مجدد اور مختلف القاب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ علوم و فنون کا ہمالہ تھا۔ وہ علم کا ایسا بحر بیکراں تھا جس میں علوم و فنون کے لاتعداد دریا گرتے ہوں۔ جس کو علوم جدید و قدیم پر اس طرح مہارت تھی گویا وہ سب اس کے سامنے کھلونوں کی طرح بکھرے ہوں۔ وہ بیشتر علوم پر اس طرح حاوی تھا جیسے وہ ان سب کا خود ہی موجد ہو میرا اشارہ اعلیٰحضرت امام شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی طرف ہے۔ بلاشبہ علم و فن میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا۔ امام احمد رضاؒ کی شخصیت میں بیک وقت کئی سائنسداں گم تھے۔ ایک طرف

ان میں ابو الہیثم جیسی فکری بصارت اور علمی روشنی تھی تو دوسری طرف جابر بن حیان جیسی صلاحیت، الخوارزمی اور یعقوب کندی جیسی کہنہ مشقی تھی، تو دوسری طرف، الطبری، الفارابی، رازی اور بوعلی سینا جیسی دانشمندی فارابی، البیرونی، عمر بن خیام امام غزالی اور ابن رشد جیسی خداداد ذہانت تھی تو دوسری طرف امام ابو حنیفہ رح کے فیض سے فقیہانہ وسیع النظری اور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے رُوحانی وابستگی اور لگاؤ کے تحت عالی ظرف امام احمد رضا رح کا ہر رخ ایک مستقل علم و فن کا منبع تھا ان کی ذات میں کتنے ہی علم و عالم گم تھے، وہ ایک ہمہ گیر و ہمہ صفت انسان تھے انہوں نے تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں فتاویٰ رضویہ جو بارہ ہزار صفحات پر محیط ہے یہ مجموعہ آپ کی جودت طبع اور تبحر علمی کا منہ بولتا شاہکار اور ایسا انمول خزانہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ کوئی علم و فن ایسا نہیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ کوئی علم و فن ایسا نہیں جس کی جھلک آپ کو اس عجوبۂ روزگار تصنیف میں نہ ملے علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ جملہ مذاہب، جدل، تفسیر، علم العقائد، علم الکلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، مناظرہ، تجوید، تصوف سلوک، اخلاق، اسماء الرجال سیر، تاریخ، نعت ادب وغیرہ کے علاوہ امام احمد رضا رح کو سائنسی علوم پر بھی پوری مہارت حاصل تھی، ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حساب، ستینی لوغارثمات، توقیت، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، حیات جدید، مربعات، جفر، زائچہ، حساب، ہیئت، ہندسہ، تکسیر، نجوم جیسے علوم میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے صرف یہی نہیں کہ آپ اس قدر علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے یا ان سے آشنا تھے بلکہ ہر فن میں آپ نے کوئی نہ کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے اس کے علاوہ بیشمار مشہور و معروف کتب پر حواشی تحریر فرمائے۔ آپ کی مختصر سی مختصر تحریر بھی گنجینۂ علم و عرفان ہے آپ کا ہر فتویٰ ایک تحقیق کا حکم رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ایک فتویٰ جو ۷۵ صفحات

پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں ۱۳۰ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اس دور میں جبکہ تحقیق کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم ہو چکے ہیں اس مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

اس طرح کتاب النکاح میں جو مقدمہ آپ نے لکھا ہے اس میں ۹۰ کتب کے نام حوالے کے طور پر پیش کئے ہیں موصوف نے خطبۂ افتتاحیہ میں علوم کے ایسے دریا بہائے ہیں کہ گزشتہ صدی گذر جانے کے بعد سے آج تک کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی، اس خطبہ میں ۹۰ کتب کے نام نثر میں اس طرح پروئے ہیں کہ جو عربی ادب کا شاہکار ہیں۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ جب عبارت کا ترجمہ کیا جائے تو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ خطبہ عربی کتابوں کے ناموں سے ترتیب دیا گیا ہے اور ایک خصوصیت اور التزام یہ بھی ہے کہ صرف ان ہی کتب کے نام درج کئے ہیں جو فتاویٰ کے جواب اور حوالہ جات کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو نہایت اعلیٰ حافظہ عطا فرمایا تھا جس کا ثبوت ان کی تحریروں میں جا بجا ملتا ہے فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم میں جنازہ سے متعلق ایک فتویٰ تحریر ہے جس میں آپ نے ۲۰۷ کتب کے حوالے پیش کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہے (ملاحظہ ہو "رسالہ النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز")۔

حقیقت میں امام احمد رضا ان تمام علوم و فنون سے پوری طرح واقف تھے جو ایک فقیہہ کے لئے ضروری اور لازمی ہیں آپ کے پاس دنیا بھر سے سینکڑوں سوالات آتے تھے جن کا جواب آپ اس انداز سے دیتے تھے کہ حیرت ہوتی، فارسی میں سوال ہوتا تو جواب بھی فارسی میں دیتے۔ سوال اگر عربی میں آتا تو اس کا جواب بھی عربی میں دیا جاتا۔ سوال منظوم شکل میں ہوتے تو جواب بھی منظوم ہی ہوتا جیسا کہ میں نے ماسبق سطور میں کہا ہے کہ امام احمد رضا کو اصناف علم میں ہر صنف پر کامل عبور تھا اور سائنسی علوم پر تو اس قدر مہارت حاصل تھی کہ میتھمیٹکس کی بیشتر شاخوں مثلاً الجبرا، جیومیٹری، ٹرگنامیٹری

اور لوگارثم وغیرہ کی مدد سے بڑے سے بڑا مسئلہ حل فرما دیا کرتے تھے اور اپنے نظریۂ اور جواب کی وضاحت میں صفحات کے صفحات پیش کرتے۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو ریاضی اور سائنسی علوم پر پورا پورا عبور اور مہارت حاصل ہو۔ جوابات دیتے وقت آپ نہ صرف اپنے دلائل پر ہی اکتفا فرماتے بلکہ مخالفین پر بھی بخوبی مطلع ہوتے اور ان کے ممکنہ اعتراضات کے شافی جواب شامل کر لیتے تھے۔ حق یہ ہے کہ جب تک جواب دینے والا مخالف کے دلائل پر عبور نہ رکھتا ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی حتمی فیصلہ کر سکے۔ علیگڑھ سے کسی صاحب نے ۱۹۲۴ء میں ایک فتویٰ بھیجا جس میں تحریر تھا "کچھ نئی روشنی والوں نے اپنے قیاسات اور انگریزی آلات کی مدد سے یہ تحقیق کیا کہ وہاں کی مسجد سمت قبلہ سے منحرف ہے وغیرہ وغیرہ" اس کے جواب میں امام احمد رضا نے پورا ایک رسالہ ہدایت المستعال فی حد الاستقبال" تحریر فرمایا (فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۱۵ تا ۱۴) امام احمد رضاؒ نے قرآن کریم اور احادیث کے سوالوں سے اس کا رد فرمایا نیز ریاضی کے مختلف علوم کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ سوال غلط ہے (تفصیل کے لئے مندرجہ بالا رسالہ ملاحظہ کیجئے)

اثبات جزو لا تیجزی کے متعلق امام احمد رضاؒ نے قرآن کریم سے اثبات جزو کی دلیل مستنبط کی۔ فرماتے ہیں کہ "میں نے تو جزو لا تیجزی کا قرآن عظیم سے اثبات کیا ہے اور یہ آیت پیش کی۔

(ترجمہ) اور ہم نے ان کو پارہ پارہ کر دیا)

امام احمد رضاؒ نے ایک مرتبہ ایک امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ کی پیشگوئی کے رد میں ۱۷ دلائل پیش کئے اور اس کی باطل پیشگوئی کے پرخچے اڑا دیئے (دیکھئے معین مبین بہر دور شمسی و سکون زمین) حرکت زمین کے متعلق (فوز مبین) لکھا جو سائنسدانوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اس کے علاوہ نزول آیات قرآن بسکون زمین و آسمان"

تحریر فرمایا۔

کتاب الطہارت فتاوی رضویہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ کنوئیں کا گھیراؤ کتنے ہاتھ ہونا چاہیئے کہ وہ دہ در دہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو سکے"۔ امام احمد رضا نے لوگارتھم کی مدد سے اس مسئلہ کا اتنا مدلل جواب دیا کہ حیرت ہوتی ہے آپ نے علم ریاضی کے اعلیٰ نصاب کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی مدد سے جدول تیار کیا جو دائرے کے قطر، محیط و مساحت کے درمیانی رشتہ کو بتانے کے لئے اپنی مثال آپ ہے اس مسئلہ میں امام احمد رضا نے کتب فقہ کے چار اقوال پیش کئے ہیں۔

قول نمبر ۱۔ ۴۸ ہاتھ۔ قول نمبر ۲۔ ۴۶ ہاتھ، قول نمبر ۳۔ ۴۴ ہاتھ، قول نمبر ۴۔ ۳۶ ہاتھ۔

قول نمبر ۴ کو آپ نے نہ صرف درست بتایا جہاں اصل میں ۳۵۰۴۴۹ ہاتھ ہیں۔ اور جس میں آدھے ہاتھ سے زیادہ فرق ہے۔ بلکہ کنواں مذکورہ کے صحیح دور کی دریافت یعنی ۳۵۰۴۴۹ کے لئے آپ نے علم الحساب کی کسی باریکی کا مصرف لیا ہے اس کا اندازہ آپ کے لئے کیلکولیشن سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ جو آپ نے پیش کئے ہیں اور جن کو ایک ماہر علم ریاضی و ہندسہ ہی سمجھ سکتا ہے۔

کتاب تیمّم کے باب میں آپ نے جنس ارضی اور آگ کا تذکرہ کیا ہے جس میں ۱۸۰ ایسی چیزوں کے نام گنوائے ہیں جن میں تیمم کیا جا سکتا ہے اور پھر ۱۲۰ چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں اسی جگہ آپ نے تقریباً ۸۰ ایسے پتھروں کی اقسام بھی بتائی ہیں جن سے تیمم ہو سکتا ہے پتھروں کی جائے پیدائش، وقوع اور ماہیت پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے علم کیمیا اور ماہر ارضیات، اور معدنیات اگر اس روشنی میں تحقیق کریں تو یہ ایک عظیم کام ہوگا جس پر آنے والی نسلیں فخر کر سکیں گی۔

گندھک اور پارہ کے متعلق بھی امام احمد رضا نے لکھا ہے کہ گندھک نر ہے اور

پارہ مادہ اور ان کی جگہ ان دونوں کے میل و نکاح سے اولاد ہے۔ یہ چیز کیمیا کے محققین کو دعوت فکر ہے۔

علم فلکیات کے متعلق امام احمد رضا رح کا فتویٰ جس میں ایک صاحب نے دریافت کیا تھا "رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصے کے باقی رہنے پر کھانا پینا چاہیئے کہ نہیں؟" تو اس کے جواب میں امام احمد رضا رح نے اپنے تجربات و مشاہدات اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد پر فرمایا کہ مذکورہ عام طریقہ غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔ کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں، یہاں تک کہ کبھی دسواں حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے آپ نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لئے رؤس اور بروج کا ایک نقشہ مرتب کیا۔ جو تا ابدان مضافات کے رات اور صبح کی نسبت نشاندہی کرتا رہے گا۔

علم نجوم یا علم توقیت سے تعلق رکھنے والے قارئین ہی اب بتائیں کہ شہر مذکورہ کے لئے اتنا واضح چارٹ مرتب کرنے والے شخص کو ہم ماہر علم نجوم یا علم توقیت کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

ان کے علاوہ امام احمد رضا رح نے مختلف فتاویٰ میں جن مسائل پر تحقیق کی ہے ان میں چند یہ ہیں:-

۱۔ پانی میں رنگ ہے یا نہیں؟
۲۔ پانی کا رنگ سپید ہے یا سیاہ؟
۳۔ موتی، شیشہ، بلور، پیسنے سے خوب سپید کیوں ہو جاتے ہیں؟
۴۔ آئینہ میں وار پڑ جائے تو وہاں سپیدی کیوں معلوم ہوتی ہے۔
۵۔ پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟
۶۔ آئینہ میں اپنی صورت کے علاوہ چیزیں جو پیٹھ کے پیچھے ہیں کس طرح نظر آتی ہیں

۷۔ شعاع کی جنس۔

۸۔ رنگتیں تاریکی میں موجود رہتی ہیں۔

۹۔ کان کی ہر چیز گندھک اور پارے سے متولد ہے۔

۱۰۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔

۱۱۔ شعاعیں جتنے زاویوں پر جاتی ہیں اتنے پر ہی پلٹتی ہیں۔

امام احمد رضاؒ کے یہاں ہمیں عجوبہ و نادر چیز جو ملتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ مسئلہ کو انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ مسئلہ خواہ کسی موضوع کا ہو، روحانی ہو یا مادی، نفسیاتی ہو یا سائنسی، علمی ہو یا مذہبی، ہر جگہ مکمل وضاحت نظر آتی ہے اور تحریر میں وضاحت اسی وقت ہوگی جب کہ تحریر کرنے والا موضوع پر پورا پورا عبور رکھتا ہو۔ اور موضوع اس کی مکمل گرفت میں ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے امام احمد رضاؒ کو جس طرح نوازا۔ ہمارے ہی لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے آپ کی شخصیت اور علمی استعداد قابل فخر ہے۔

نمونہ کلام عربی

اَلْمَوتُ حَقٌّ یَالَهُ مِن مَجاءٍ — مُتَیَقَّنٌ وَالنَّاسُ فِی إِنْسَاءِ

أَنْسَاهُمُ الإِنْسَاءُ فِی آجالِهِم — مَعَ مَا یَرَونَ مِن آیَةٍ بِوِلَاءِ

اَلنَّقصُ مِن أَموَالِهِم وَثِمَارِهِم — وَالأَخذُ بِالبَأسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

نَجَباً لِغَافِلَةٍ غَدَت مَخفِیَّةً — وَبَدَت مِنَ الخَضرَاءِ وَالغَبرَاءِ

اَلطِّفلُ شَبَّ وَشَابَ وَهُوَ کَمَا بَدَا — یَلهُو وَیَلعَبُ نَاسِیاً لِقَضَاءِ

عَبدَ الغَنِیِّ مَضَیتَ حِینَ قَضَیتَ — اَلْخَیرَ مِن نِکَایَةِ فِتنَةِ الخُبَثَاءِ

بِنِدَا رَسُولِ اللهِ فُز بِشَفَاعَةٍ — وَجَزَاءِ رَبِّ العَرشِ خَیرِ جَزَاءِ

یَا مَالِکَ النَّاسِ النَّبِیَّ المُصطَفیٰ — اِشفَع لِعَبدِکَ دَافِعاً لِبَلَاءِ

رَقَمَ الرِّضَا تَارِیخَهُ مُتَفَائِلاً

عَبدُ الغَنِیِّ بِجَنَّةٍ عَلیَاءِ

سلسلہ مطبوعات مرکزی مجلس رضا لاہور (۳۰)

"معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین"

۱۳۳۸ھ

امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف ، پورٹا

کی

پیش گوئی کا رد

از افادات

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

مرکزی مجلس رضا ۔ لاہور

نگارش :۔ محمد اعظم سعیدی

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس اللہ سرہٗ

اور

علوم طبیعیات اور کیمیا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کی تین چوتھائی سے زائد تصانیف اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ طبع شدہ تصانیف دینی میں معمولی سا ذکر طبیعات، کیمیا، فلکیات اور ریاضی کا ملتا ہے۔ اس مضمون کا تعلق چونکہ طبیعات و کیمیا سے ہے۔ چنانچہ یہاں ہم آپؒ کے انہی علوم پر بحث کریں گے۔

طبیعات :۔ حضرت رضا بریلویؒ کی تصانیف میں طبیعات کی دو شاخوں پر کچھ ذکر موجود ہے۔ (۱) آواز (۲) نور یا روشنی۔

عبارت :۔ (۱) آواز (SOUND) ملفوظات (حصہ اول) میں ہے۔ آواز پہنچنے کے لئے ملأ فاضل میں تموّج چاہیئے۔ (ملفوظات (حصہ اول) ص۱۱۷ سطر ۲۰)

تبصرہ :۔ یہ گویا آواز کے نظریۂ تموّج کی تائید ہے۔ یہ نظریہ گو یونانیوں نے ہی پیش کر دیا تھا۔ لیکن اس کو سترھویں صدی میں نیوٹن نے باقاعدہ طور پر منوایا۔ پھر بھی اعلیٰحضرت کے زمانے تک یہ مشہور نہیں ہوا تھا۔ گویا اس زمانے میں ایک جدید نظریہ تھا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اعلیٰحضرت نے نہ تو اپنی زندگی میں انگریزی کا ایک حرف بھی سیکھا! اور نہ ہی عربی میں سائنس کی کوئی کتاب پڑھی۔ تو لامحالہ یہ بات ماننی پڑیگی کہ یہ نظریہ ان کے دماغ کا کرشمہ تھا۔ تو اس طرح یہ بھی دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آواز کے نظریہ تموّج کے ایک بانی اعلیٰحضرتؒ بھی تھے۔ جس طرح کہ آکسیجن بیک زمانہ تین اشخاص

نے تیار کی۔ لواشے، پریسٹلے اور اسکیل۔ اگرچہ تینوں کے طریقہ کار ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ (کیمیا کے رومان مصنف کیتھ گورڈن ارون) اسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک طرف تو نیوٹن نے اس نظریہ کو ثابت کیا۔ دوسری طرف اعلےٰ حضرت نے اسے واضح کیا۔

عبارت:۔ "ملفوظات ہی میں ہے" ہوا میں تموّج زائد ہے کہ پانی سے الطف ہے۔ وہ (ہوا) زیادہ پہنچاتی ہے اور پانی کم۔ تالاب میں دو شخص دو کناروں پر غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک اینٹ پر اینٹ مارے، دوسرے کو آواز پہنچے گی۔ مگر نہ اتنی کہ ہوا میں۔"

(ملفوظات داوّل) ص۱۱۷ سطر آخری۔)

تشریح:۔ اس عبارت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پانی چونکہ ہوا سے زیادہ کثیف ہوتا ہے اس لئے اس میں آواز کی رفتار کم ہوگی۔

تبصرہ:۔ تحقیقات جدیدہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ پانی میں آواز کی رفتار ہوا سے چار گنا زیادہ ہے۔ گویا اس طرح اعلےٰ حضرت کا نظریہ غلط کہا جائے۔ لیکن جس طرح ہم پچھلے سائنسدانوں کی غلطیاں یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کم از کم انہوں نے نظریات تو پیش کئے۔ اور حقیقت کو بے نقاب کرنے کی کوشش تو کی تو ہم اعلےٰ حضرت کی اس بات کو نظر انداز کیوں نہیں کر سکتے۔ بلکہ میرے خیال میں تو انہیں داد دینی چاہیئے۔ کہ انہوں نے ایک دینی عالم ہوتے ہوئے یہ بات سوچنے کی ہمت کی۔

اس کے علاوہ جس طرح آج ہم اپنے پرانے بزرگوں کی باتیں سنکر ہنستے ہیں۔ اسی طرح مستقبل کی نسل بھی ہمارے خیالات و نظریات، تجربات و مشاہدات پڑھ کر اور سنکر ہنسا کرے گی۔

مختلف ادوار میں مختلف خیالات ہوتے ہیں۔ اور اپنے زمانے کے جدید ترین نظریات کہلاتے ہیں۔ لیکن جب اور ترقی ہوتی ہے تو وہ نظریات غلط ثابت ہو جاتے ہیں تو یہ سلسلہ پہلے بھی جاری تھا۔ اب بھی جاری اور آئندہ بھی جاری رہے گا!

بہرحال بات موضوع سے ہٹ گئی تھی۔ ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

(۲) نور (LIGHT)

عبارت:۔ فتاویٰ رضویہ (جلد اول) میں ہے "شفیف اجسام کا قاعدہ ہے کہ شعاعیں ان پر پڑکر واپس آتی ہیں۔ لہٰذا آئینے میں اپنی اور اپنے پس پشت چیزوں کی صورت نظر آتی ہے۔ لہٰذا آئینے میں داہنی جانب بائیں اور بائیں جانب داہنی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا شے آئینے سے جتنی دور ہو اسی قدر دور دکھائی دیتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول صـ۵۹۱)

تشریح:۔ اس بات کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ ایک جسم سے آنے والی شعاعیں جب آئینے سے ٹکرا کر آنکھ میں داخل ہوتی ہیں تو دیکھنے والے کو وہ شعاعیں آئینے کے اندر سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے۔
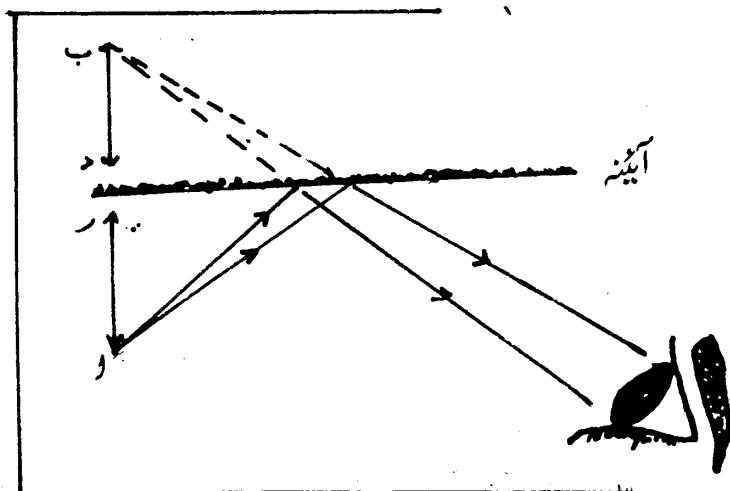
"و ر" جسم ہے اور "ا ب" جسم کے تشبیہہ نقطہ دار خطوط یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ شعاعیں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ (جدید تحقیقات سے یہ باتیں ثابت ہیں) جسم کی تشبیہہ آئینے کے اندر اتنے ہی فاصلے پر بنتی ہے جتنے فاصلے پر وہ جسم آئینے کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کے

علاوہ یہ شبیہہ دائیں بائیں الٹی ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے عرضی الٹی شبیہہ کہتے ہیں۔

عبارت :۔ اسی جگہ ذرا آگے یہ عبارت ہے "زاویائے انعکاس ہمیشہ زاویائے شعاع کے برابر ہوتے ہیں" (فتاویٰ رضویہ (اوّل) ص۵۹۱)

تبصرہ :۔ انعکاس کا یہ قانون ابن الہیثم نے پیش کیا تھا۔ اعلیٰحضرت نے جب کہ ابن الہیثم کی کوئی کتاب نہیں پڑھی اور نہ کسی کا اس عبارت میں حوالہ دیا۔ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر یہ نظریہ پیش کیا۔

تشریح :۔ تحقیقات جدیدہ سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ کوئی شعاع جب آئینے سے ٹکراتی ہے تو وہ منعکس (REFLECT) ہوتی ہے۔ اور اتنے ہی زاویئے پر منعکس ہوتی ہے۔ جتنے زاویئے پر کہ وہ واقع ہوتی ہے۔ گویا کم سے کم الفاظ میں زاویہ انعکاس زاویۂ وقوع کے برابر ہوتا ہے۔"

اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ جدید تحقیقات سے جو بات ثابت ہوئی وہ اعلیٰحضرت کو کیسے معلوم تھی۔ آسانی کے لئے مندرجہ ذیل شکل پیش کی جاتی ہے۔
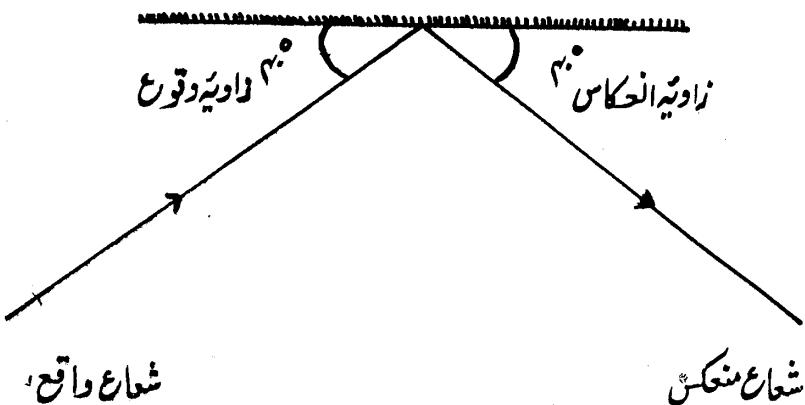
مندرجہ بالا چند باتیں اعلیٰحضرت کی علم طبیعات میں مہارت ظاہر کرتی ہیں۔ یہ باتیں تو دینی تصانیف سے اخذ کی گئی ہیں۔ اگر وہ تصانیف شائع کردی جائیں جو خاص اسی موضوع

پر ہیں۔ تو سائنسی دنیا میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔

علم الکیمیا (CHEMISTRY)

فتاویٰ رضویہ (حصہ اول) میں کیمیا سے متعلق بہت سی تحریریں ملتی ہیں۔ خاص طور پر باب التیمم میں عمل احتراق (COMBUSTION) پر ایک مفصل باب ہے۔ جس میں احتراق کی پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) احتراق (۲) ترمد (۳) لین (۴) ذوبان (۵) انطباع۔

اگرچہ یہ بیان بہت مفید ہے لیکن بہت تفصیل سے ہے۔ اس کے پڑھنے کا صحیح لطف اسی میں ہے کہ مکمل پڑھا جائے۔ البتہ مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ احتراق :۔ احتراق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کوئی شے آگ کا قوی تاثر لے لیکن اس کے اجزاء دمقاصد برقرار رہیں جیسے مٹی کہ آگ سے گرم ہو کر سیاہ ہو جائے۔ احتراق کی بھی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ انتفا (۲) انطفا (۳) انتقاص[۱] (۴) انتقاص[۲]

(انتقاص کی دو اقسام ہیں)

۲۔ ترمد :۔ کسی چیز کا آگ کے اثر سے راکھ ہو جانا جیسے سنگ مرمر کہ جل کر چونا بن جاتا ہے۔

۳۔ لین :۔ نرم پڑنا، جسطرح کہ کھانا پک کر اپنی حالت خامی سے نرم پڑ جاتا ہے۔

۴۔ ذوبان :۔ پگھل جانا یہ اس صورت کو کہتے ہیں کہ کوئی شے نہ تو آگ کے اثر سے اتنی گھل گئی کہ اس کے اجزاء اڑ جائیں اور نہ اتنی گرفت رہی کہ جمی رہے۔

۵۔ انطباع :۔ کسی چیز کا قابل صفت ہونا کہ جس طرح چاہیں گھڑ سکیں۔ البتہ اگر ڈھالا جائے تو وہ ذوبان ہوگا۔

یہ ایک مختصر سا جائزہ ہے ورنہ ان پانچوں حالتوں پر بحث تقریباً بتیس صفحات پر

پھیلی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ (جلد اوّل) صہ ۱۵)

عبارت:۔ ملفوظات (حصّہ سوم) میں ہے: "کیمیا تصنیع مال ہے۔ آج تک کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ کسی نے بنائی ہو" (ملفوظات (حصّہ سوم) صہ ۲۱ سطر ۷)

تشریح:۔ اس میں کیمیا گری یعنی سونا بنانے کا رد کیا گیا ہے۔

تبصرہ:۔ اعلیٰحضرتؒ ہی وہ عالم تھے کہ بغیر سائنسی کتب پڑھے ہوئے اپنے دماغ سے تمام باتیں اخذ کر لیا کرتے تھے جو کہ اسّی فیصد صحیح ثابت ہوتی تھیں! اور یہی بات یہاں پر ہے کہ آپ نے کیمیا گری کا انکار کیا ہے۔ ورنہ بڑے بڑے سائنسداں جن کے اصولوں پر جدید سائنس کی بنیادیں استوار ہیں۔ کیمیا گری پر یقین رکھتے تھے۔ ایک ادنیٰ سی مثال "بابائے سائنس" نیوٹن کی ہے۔ جو کیمیا گری پر یقین رکھتا تھا۔ بلکہ اس کے سکریٹری کا کہنا ہے کہ وہ بہار کے موسم میں کیمیا گری کے علاوہ کوئی سائنسی تجربات نہیں کرتا تھا۔

(نامور مغربی سائنسداں مصنفہ پروفیسر حمید عسکری)

اس کے برعکس دینی علم کے میدان کے شہسوار اعلیٰحضرت ہیں۔ جو کیمیا گری کے مخالف ہیں۔

عبارت:۔ فتاویٰ رضویہ (حصّہ اول) میں ہے: "جملہ معدنیات کا تکون گندھک اور پارے کے ازدواج سے ہے۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادّہ"

(فتاویٰ رضویہ (حصّہ اول) صہ ۷۳۶ سطر ۲۱)

تشریح:۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو عناصر سے ایک عنصر کیسے ظہور پذیر ہوگا۔؟ تو اس کے پانچ جواب ہیں۔

۱۔ پہلا جواب یہ ہے کہ اب تک ۱۰۵ عناصر دریافت کئے جا چکے ہیں۔ جن میں سے بارہ (۱۲) عناصر صرف مصنوعی طور پر بنائے جا سکتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ مصنوعی عناصر کوئی دو یا دو سے زائد عناصر کو ملا کر بنائے گئے ہوں گے۔ آخر وہ آسمان سے تو نہیں اترے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مشہور سائنسداں جارج گیمو نے اپنی کتاب سورج کی پیدائش

اور موت (THE BIRTH AND DEATH OF THE SUN) میں لکھا ہے۔
کہ سورج کے اندرونی حصے میں ہائیڈروجن صرف ہونے سے ہیلیم (HELUIM) پیدا ہوتی
ہے۔ یہ نظریہ پوری دنیا کے سائنسداں تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں بھی تو عنصر سے عنصر ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

۳۔ تمام سائنسداں مانتے ہیں کہ جب سورج زمین اور دوسرے سیارے وجود میں نہیں آئے تھے
تو یہ ایک گولے کی صورت میں تھے! اور یہ گولہ لطیف و سرد گیسوں پر مشتمل تھا۔

(سورج کی پیدائش اور موت مصنف جارج گیمو)

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان لطیف و سرد گیسوں میں سے یہ ۱۰۵ عناصر کیسے وجود
میں آئے۔؟ گویا یہ ماننا پڑے گا کہ عنصر سے عنصر تشکیل پا سکتا ہے۔

۴۔ ایسے عناصر جن کے ایٹمی نمبر ۸۲ سے زیادہ ہوں۔ جیسے یورینیم (۹۲) ریڈیم (۸۸) اور پولونیم
(۸۴) وغیرہ قدرتی طور پر قیام پذیر ہوتے ہیں۔ یہ عناصر اپنی خصوصیات کے اعتبار سے مستقل طور پر
ہر وقت مختلف نوعیت کی طاقتور شعاعیں خارج کرتے رہتے ہیں جسے تابکاری RADIO
ACTIVTY کہتے ہیں۔ اس طرح ان کے ایٹموں کی توڑ پھوڑ ہوتی رہتی ہے جس کے نتیجے میں وہ ایک قسم
کے عناصر کے ایٹموں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ گویا ایک عنصر سے دوسرا عنصر بن جاتا ہے۔

۵۔ اب ایک اہم دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جس کا سائنسداں تجربہ بھی کر چکے ہیں۔ ایک عنصر کو نیو
کلیائی بمباری (NUCLEAR BOMBARMENT) کے ذریعے دوسرے عنصر میں تبدیل کیا
جا سکتا ہے۔ مثلاً پارے کے جوہر میں ۸۰ برقیئے (ELECTRON) ۸۰ مثبتیے (PROTON)
اور ۱۲۰ بدیئے ہوتے ہیں! اور سونے کے جوہر میں ۷۹ برقیئے ۷۹ مثبتیے اور ۱۱۸ بدیئے، ہوتے ہیں۔ اب اگر
پارے کے جوہر میں سے ایک برقیہ، ایک مثبتہ اور دو بدیئے نکال لئے جائیں تو وہ سونے کا جوہر بن جائے
گا۔ سائنسداں اس طریقے سے سونا بنا چکے ہیں۔

اب جہاں تک تعلق ہے گندھک کے نر اور پارے کے مادہ ہونے کا تو اس بات کو یوں ظاہر کیا
جا سکتا ہے کہ جب کوئی دو یا دو سے زائد عناصر کا ملاپ ہوتا ہے تو ان میں برقیوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اب

جوایٹم دوسرے ایٹم کو برقیہ دیتاہے۔ وہ (DONAR ATOM) اور جو برقیہ وصول کرتا ہے۔ (ACCEPTER ATOM) کہلاتاہے۔

اب اگر اصطلاحی معنوں میں (DONAR) کو نر اور (ACCEPTER) کو مادّہ کہدیا جاتا تو کچھ غلط نہیں۔

یہ بھی ہو سکتاہے کہ نر سے مراد اعلیٰ حضرت کی۔ اس عنصر سے ہو جو دہ عمل کا کام کرتا ہے۔ اور جس میں تبدیلی ہوتی ہے اسے مادّہ کا نام دیا ہو۔ بہر حال کچھ بھی ہو اعلیٰ حضرت کی صلاحتیں ان علوم میں ماننی پڑیں گی۔ اور میرے خیال میں تو کسی شخص کا ہی پاس علوم وفنون میں دسترس کامل رکھنا ممکن نہیں۔ ذہین سے ذہین ترین شخص بھی اپنی تمام عمر صرف کرکے اتنے علوم حاصل نہیں کرسکتا۔

میں اس سلسلے میں جناب ایم حسن امام ملک پوری کی رائے سے اتفاق کروں گا۔ آپ نے اپنے مضمون میں فرمایا ہے: "امام احمد رضا کی صلاحیت کسبی نہیں بلکہ الہامی و دہبی تھی"

(انوار رضا ص ۳۱۷)

اور اعلیٰ حضرت کے اس شعر کے بعد تو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیتے ہیں

نہ مرا نوشش ز تحسیں، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوشش بہ مدحے، نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولے کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

رضا

پروفیسر محمد ابرار حسین

امام احمد رضا خاں ایک ماہر علم ریاضی کی حیثیت سے

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضی میں مہارت کے گہرے نقوش "فتاویٰ رضویہ" سے لے کر "فوز مبین" تک نظر آتے ہیں۔ آپ نے مساوات کے حل پر بھی فکر انگیز کام کیا ہے۔ زیر نظر چند اوراق متفرق ہیں۔ جو اعلیٰحضرت کی اپنی تحریر میں ہیں انہیں دو سلسلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جن کے عنوان اس طرح دیئے گئے ہیں۔

۱۔ مساوات درجہ سوم

۲۔ فعل در مرجع مساوات رباعیہ و ثلاثیہ مجذوریہ بہ ثلاثیہ لائیہ بحذف رقم دوم۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی یا دو مختلف رسالوں کے جز ہیں۔ پہلی صورت زیادہ اغلب معلوم ہوتی ہے۔ رسالہ کا نام نہیں ملتا۔ اعلیٰحضرت کی تقریباً تمام تصانیف کے عنوان تاریخی ہیں۔

مساوات کے حل کے دو پہلو ہیں۔ الجبری حل اور عددی حل۔ الخوارزمی نے دو درجی مساوات اور عمر خیام نے مساوات درجہ سوم کے حل پیش کئے جو علم ہندسہ پر مبنی تھے۔ صدیوں تک یوروپ میں ان ہی کو پڑھایا جاتا رہا۔ ایک خاص درجہ سے اوپر مساوات کا الجبری حل ممکن نہیں اس لئے مساوات کے حل کا یہ پہلو ریاضی داں کی توجہ کا مرکز نہیں رہا۔ دوسرا اہم پہلو عددی حل ہے۔ اس کی جستجو بھی زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ ریاضی کے وسیع اطلاق اور کمپیوٹر کی سہولت نے اس پہلو کو زمانۂ حال میں زیادہ اجاگر کیا ہے۔

اعلیحضرت کے زمانہ میں تحلیل عددی کی اہمیت بہت کم تھی۔ اور انگریزی میں اس موضوع پر جو مشہور تصانیف ہوئیں آپ کی وفات کے بعد طبع ہوئیں۔ آپ کو اس شعبہ پر عبور حاصل تھا۔ جیسا کہ راقم الحروف نے اپنے مضمون "استخراج لوغارثمات" میں تحریر کیا ہے۔ آجکل تحلیل عددی ریاضی کا بہت ہی اہم شعبہ ہے۔ اور مساوات کا عددی حل اس کا اہم جز

اعلیحضرت نے مساوات درجہ سوم کے عددی حل کی طرف ہی توجہ فرمائی ہے۔ آپ کی یہ دونوں تحریریں فارسی میں ہیں۔ یہاں پر ہم "مساوات درجہ سوم" کا ہی ایک سرسری جائزہ پیش کریں گے۔ سب سے پہلے آپ نے مساوات درجہ سوم کی درجہ بندی کی ہے۔

"اول مساوات درجہ سوم ہفت صورت دار دسہ ثنائی وسہ ثلاثی ایک رباعی" ان تینوں کی مزید تقسیم کی گئی ہے جس کی تفصیل آپ نے دوسرے صفحہ پر دی ہے۔ کل ۲۶ اقسام ہیں۔ دودرجی مساوات کی درجہ بندی الخوارزمی نے اور سہ درجی مساوات کی درجہ بندی عمر خیام نے کی لیکن ان کی درجہ بندی میں صرف وہ مساوات شامل تھیں جن کے حل مثبت حقیقی عدد ہوں۔ اعلیحضرت کی درجہ بندی تمام حالتوں پر محیط ہے اور جامع ہے۔ قدیم درجہ بندی کی نوعیت مختلف تھی کیونکہ ایک تو اس زمانہ میں الجبرا بیانی تھا۔ علامتی نہیں۔ اور دوسرے مساوات کی ہر جانب کو علیحدہ علیحدہ زیرِ غور لایا جاتا تھا۔ عمر خیام کا الجبرا فراموش کیا جاچکا تھا۔ اور اس کی دریافت اور اس کی اشاعت معہ فرانسیسی ترجمہ پرانے واقعات نہیں۔ اعلیحضرت کو نہ تو الخوارزمی کی تصنیف اور نہ ہی عمر خیام کا تصنیف کا علم ہوگا۔ آپ نے اپنی درجہ بندی میں ہر قسم کے لئے حل کی نوعیت بتائی ہے کہ وہ مثبت ہے یا منفی مثلاً مساوات $لا^3 \pm ط لا^2 \pm ص$ = کی + اور - کی ترتیب سے چار صورتیں ہیں۔ "قوت ثانیہ وعدد ہر دو مثبت بود و دریں صورت لازم است کہ عددے مثبت باشد" دوم آنکہ اگر قوت ثانیہ وعدد ہر دو مثبت بود و دریں صورت لازم ست کہ لا چیزے منفی باشد۔ سوم آنکہ قوت ثانیہ مثبت وعدد منفی باشد چہارم بالعکس و دریں دو وجہ لا مثبت و منفی

ہر یک تو اں شدؔ" ان بیانات کی دلائل بھی دیئے ہیں۔ اور مثالوں سے بھی واضح کیا ہے۔

مساوات لا^۳ ـ ط لا + ص = ہ کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اور اس کے حل کے انوکھے طریقے پیش کئے ہیں۔ ایک طریقہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مساوات کو دو مساوات میں اس طرح ظاہر کر سکتے ہیں! ط = (۱ + ۶) لا^۲ اور ۶ لا^۳ = ص

اگر "۶" کی مناسب قیمت معلوم کر لی جائے تو لا کی قیمت بذریعہ تقرب نکالی جا سکتی ہے۔

آپ نے اس مساوات سے متعلق تفاضل کی خوبیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے! اور ان کے ذریعہ حل کی جانب توجہ دلائی ہے۔ آپ نے لا^۳ ـ ط لا کے تفاضل نہیں پیش کئے۔ بلکہ

(لا^۳ ـ ط لا) / لا یعنی لا^۲ ـ ط

کے تفاضل پیش کئے ہیں جو لا کی اس قیمت تک نکالے گئے ہیں۔ جہاں تک تفاضل کی علامت تبدیل نہ ہو۔

یہ کام چار صفحات پر محیط ہے۔ اس میں کچھ حواشی پڑھے جاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ کچھ نتائج الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں اور عددی مثالوں سے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس کام کو ایک خاکہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو محققین کو دعوت فکر دے رہا ہے۔

تحلیل عددی ریاضی کی ابھرتی ہوئی شاخ ہے اور اعلیٰحضرت کا یہ کام اس سے متعلق ہے۔

اعلیٰحضرت کی ریاضی میں کاوشوں سے ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ صرف تحقیق کی نئی راہیں نظر آئیں گی۔ ریاضی اور سائنس کی عمدہ اور آسان فہم اصطلاحات اور علامات کا بھی انکشاف ہوتا ہے۔ ان سب سے اعلیٰ اور ارفع اس شخص کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جو کسی کالج یا یونیورسٹی میں زیر تعلیم نہیں رہا۔ اور ریاضی اور سائنس میں کمال کے درجہ کو پہنچ گیا۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

(الحمدللہ) ترجمہ صحیحہ کتاب مجید از افاضات مجدد مأتہ حاضرہ اعلیٰحضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ موسوم باسم تاریخی

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

(۱۳۳۰ھ)

مع تفسیر حضرت صدر الافاضل مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ

خزائن العرفان فی تفسیر القرآن

طابع و ناشر

المجدد احمد رضا اکیڈمی

ملنے کا پتہ:

دار العلوم امجدیہ، کراچی ۱

فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ

فون ۲۱۶۳۶۴
۲۱۷۸۸۹
فیروز شاہ اسٹریٹ

فون: ۴۱۴۳۵۴
عالمگیر روڈ

باھتمام: قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی

خطیب نیومیمن مسجد، بولٹن مارکیٹ، کراچی ۲

علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی

امام اہلسنت اور علم التفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ اُن ہستیوں میں سے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ[1] ط

یہ شرح صدر ہی تو تھا کہ قلیل عرصہ میں جملہ علوم وفنون سے فراغت پالی ورنہ عقل کب باور کر سکتی کہ چودہ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون از بر ہوں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور یہ علوم وفنون صرف از بر نہ تھے بلکہ ہر فن پر مبسوط تصانیف موجود ہیں۔ اور وہ بھی کسی سے مستعار نہیں بلکہ قلم رضوی کے اپنے آبدار موتی ہیں۔ اور تحقیق کے ایسے بہتے ہوئے بحر ذخّار کو دیکھ کر بڑے بڑے محققین انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ آپ کو قلم کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ تجربات اور شواہد بتاتے ہیں کہ جس بندۂ خدا کو جس فن کی مہارت نصیب ہو وہ دوسرے فن میں ہزاروں ٹھوکریں

---

(۱) ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھولدیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ القرآن: پ ۲۳۔ سورۃ الزمر آیت نمبر: ۲۲

کھاتا ہے۔ مثلاً حضرت امام بخاری قدس سرہٗ کو دیکھئے کہ دنیائے اسلام نے فنِ حدیث کا انہیں ایسا امام مانا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی لیکن فقہائے کے استنباط اور تاریخی حیثیت سے آپ کو وہ مرتبہ حاصل نہیں جو فن حدیث میں حاصل ہے لیکن اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۰ھ) کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر فن کے ماہرین نے مانا ہے کہ آپ ہر فن میں مہارت تامّہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ شاعروں نے آپ کو امام الشعراء سمجھا۔ فقہائے نے آپ کو وقت کا ابو حنیفہ مانا محدثین نے امیر الحدیث وغیرہ وغیرہ اس لئے خود اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اپنے لئے فرمایا اور بجا فرمایا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں (۱)

اس وقت فقیر کا موضوعِ سخن فن تفسیر ہے (میں اس میں یہ) واضح کروں گا کہ آپ اس فن کے بھی مسلّم امام ہیں۔ اگرچہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے پورے قرآن پاک کی کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ لیکن حق یہ ہے کہ اگر آپ کی تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے تفسیری عبارات جمع کی جائیں تو ایک مبسوط تفسیر معرض وجود میں آسکتی ہے۔ چنانچہ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کام کا آغاز کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شرائط تفسیر:

امام جلال الملّۃ والدین حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں لکھا ہے کہ مفسّر اس وقت تفسیر قرآن لکھنے اور بیان کرنے کا حق رکھتا ہے۔ جب چودہ فنون کی مہارت حاصل کرلے ورنہ تفسیر نہیں تحریف قرآن کا مرتکب ہوگا۔

اس قاعدہ پر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نہ صرف ان چودہ فنون میں ماہر

---

(۱) حدائق بخشش اول: ص ۱۴۱

ہیں بلکہ پچاس فنون پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض فنون پر آپ کی درجنوں تصانیف ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ کو مستقل طور پر لکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن آپ کی تصانیف سے قرآنی ابحاث کی ایک ضخیم تفسیر تیار ہو سکتی ہے اور فقیر اویسی نے اس کے اکثر اجزاء کو جمع کیا ہوا ہے۔ بنام "تفسیر امام احمد رضا" خدا کرے کوئی بندۂ خدا اس کی اشاعت کے لئے کمربستہ ہو جائے (آمین) علاوہ ازیں تفاسیر پر آپ کے عربی حواشی کے اسماء ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ الزلال الانقی عن بحر سفینۃ اتقی۔

۲۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی شریف۔

۳۔ حاشیہ عنایت القاضی شرح بیضاوی۔

۴۔ حاشیہ معالم التنزیل

۵۔ حاشیہ الاتقان فی علوم القرآن سیوطی۔

۶۔ حاشیہ الدر المنثور (سیوطی)

۷۔ حاشیہ تفسیر خازن

علاوہ ازیں بعض آیات اور سورتوں پر آپ کی متعدد تصانیف موضوع تفسیر پر ملتی ہیں۔ جنہیں ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے جمع فرمایا ہے۔ چند ایک کے اسماء درج ذیل ہیں۔ (۱)

۸۔ انوار العلم فی معنی میعاد استجب لکم۔

یہ فارسی زبان میں ہے۔ یہ ۱۳۲۷ھ تک غیر مطبوعہ تھی۔ اس میں اعلحضرت قدس سرہٗ نے تحقیق فرمائی کہ اجابت دعا کے کیا معنی ہیں۔ اثر ظاہر نہ ہونا دیکھ کر بے دل ہونا حماقت ہے۔

---

(۱) نمبر سات کے بعد آگے سلسلہ ہے۔

۹۔ الصمصام علےٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام۔

اس میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے پادریوں کا رد اردو زبان میں فرمایا ہے جو کہ طبع شدہ موجود ہے۔

۱۰۔ انباء الحی ان کتابہ المصون "تبیان لکل شیٔ"۔

یہ اُردو زبان میں ہے۔ اس میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ثابت فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں اشیائے عالم کی ہر چیز کا مفصّل بیان ہے۔

۱۱۔ النفحۃ الفائحہ من مسلک سورۃ الفاتحہ۔

یہ اُردو زبان میں ہے۔ اس میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے سُورہ فاتحہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فضائل (مقدسہ) کو ثابت فرمایا ہے۔

۱۲۔ نائل الرّاح فرق الرّیح والرّیاح۔

فارسی زبان میں ہے۔

مذکورہ بالا رسائل صرف موضوع تفسیر سے متعلق ہیں۔ بعض اوقات کسی مسئلہ کے متعلق استفسار پر آپ نے تفسیری نقطۂ نگاہ سے حل فرمایا۔ درحقیقت آپ کو عالم دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے فتاویٰ کے جوابات سے فرصت ہی کم ملی۔ ورنہ اگر اس طرف توجہ دیتے تو تفسیر کا ایک ایک جُز بھی ہزاروں صفحات پر پھیلتا۔ صرف بسم اللہ شریف کی تقریر پر مختصر سے وقت میں آپ کا ایک طویل مضمون موجود ہے۔ جو آپ نے عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے موقع پر بریلی شریف میں بیان فرمایا تھا جو سوانح اعلیٰحضرت میں ص۹۵ سے شروع ہو کر ص ۱۱۲ تک ختم ہوتا ہے۔ اسی طرح پھر دوسرا وعظ ص۱۱۲ سے شروع ہو کر ص۱۳۱ تک ختم ہوا یہ بھی تقریر کے رنگ میں ہوا جو تحریر کے میدان میں کوسوں دور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اتنے صفحات کا مضمون بیان کر جانا کس مرد میدان کا کام ہے۔ اور وہ بھی مضمرانہ رنگ میں

۱۳۔ تفسیر سورۃ وَالضُّحیٰ لکھی تو سینکڑوں صفحات پر پھیلا دیئے۔ جس کی ایک ایک سطر کئی تفاسیر کے مجموعہ کو دامن میں لئے ہوئے ہے۔

آپ کے تلامذہ کو رشک ہوتا تھا کہ ایسے بحر بے پایاں کے قلم سے جس طرح فقہ اور حدیث اور دیگر فنون کے دریا بہائے گئے ہیں۔ کچھ تفسیری نوٹ بھی آپ کی یادگار ہوں تو زہے قسمت۔ اگرچہ اجمالی طور پر ہی سہی۔ چنانچہ صدر الشریعت حضرت مولانا حکیم امجد علی صاحب مصنّف بہار شریعت قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمتوں سے نوازے انہوں نے اہلسنّت پر احسان عظیم فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عدیم الفرصتی کے باوجود قرآن مجید کا ترجمہ لکھوا ہی لیا۔ چنانچہ سوانح نگار حضرات قرآن مجید کے ترجمے کے متعلق یوں ہی لکھتے ہیں کہ صدر الشریعۃ حضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۂ قرآن کی ضرورت پیش کرتے ہوئے۔ اعلیٰ حضرت سے گزارش کی آپ نے وعدہ تو فرما لیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ جب حضرت صدر الشریعۃ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمے کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے۔ اس لئے آپ رات کو سوتے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعت ایک دن کاغذ قلم دوات لے کر حاضر ہو گئے۔ اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔ ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ زبانی طور پر آیۃ کریمہ کا ترجمہ فرماتے جاتے اور حضرت صدر الشریعت علیہ الرحمۃ لکھتے جاتے۔ لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں کہ آپ پہلے کتب تفسیر وحدیث و لغت کو ملاحظہ فرماتے اور آیات کو سوچتے پھر ترجمہ بیان فرماتے۔ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اسی طرح بولتے جاتے تھے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر زور ڈالے بغیر قرآن شریف پڑھتا چلا جاتا ہے۔ علماء کرام جب دوسری تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ برجستہ فی البدیہہ

ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل عین مطابق ہے۔ الغرض اسی قلیل وقت میں ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ قرآن مجید کا ترجمہ ختم ہو گیا اور حضرت صدر الشریعۃ کی کوشش بلیغ کی بدولت سُنّیت کو کنز الایمان کی دولت عظمٰی نصیب ہوئی ـــــ

(فجزاہ اللہ تعالٰی عنّا وعن جمیع اھل السنۃ جزاءً کثیرا واجراً جزیلاً)

حضرت محدّث کچھوچھوی سیّد محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیحضرت کے علم قرآن کا اندازہ اس اردو ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں ہے اور نہ اُردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا جو بظاہر ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن مجید کی صحیح تفسیر ہے۔ اور اُردو زبان میں رُوحِ قرآن ہے (۱) بلکہ فقیر اُویسی کا ذوق یوں گواہی دیتا ہے۔

ہست قرآن در زبان اُردوی
ہمچوں مثنوی در زبان پہلوی

محققین حضرات نے اس ترجمہ کو دیکھ کر مندرجہ ذیل آراء قائم فرمائی ہیں:

۱۔ ترجمۂ اعلیحضرت تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔
۲۔ اہلِ تفویض کے مسلک اسلم کا عکس ہے۔
۳۔ اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤیّد ہے۔
۴۔ زبان کی روانی اور سلاست میں بے مثل ہے۔
۵۔ عوامی لغات و بازاری زبان سے یکسر پاک ہے۔
۶۔ قرآن حکیم کے اصلی منشأ و مراد کو بتاتا ہے۔
۷۔ آیاتِ ربانی کے انداز خطاب کے علو کا ترجمان ہے۔

---

(۱) سوانح اعلحضرت ص۳۴۳، ص۳۴۴ (۲) مقالات یوم رضا ص۴۱ و ص۴۲

۸۔ قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشاندہی کرتا ہے

۹۔ قادرِ مطلق کی ردائے عزّت و جلال میں نقص و عیب کا دھبہ لگانے والوں کے لئے تیغ برّآن ہے۔

۱۰۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے

۱۱۔ عام مسلمین کیلئے با محاورہ اُردو میں سادہ ترجمہ ہے۔

۱۲۔ لیکن علماء کرام و مشائخ عظام کے لئے معرفت کا امنڈتا ہوا سمندر ہے۔

بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جلّ جلالہ کا مقدس کلام ہے اور کنزالایمان اس کا مہذب ترجمان ہے۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے جہاں بھی آپ کی تصانیف میں تحقیق مفسرانہ دیکھی تو رازی و غزالی رحمۃ اللہ علیہما کے قلم سے آفرین و تحسین سُنی، اختصار کے پیش نظر چند ایک نظائر مشتے نمونہ از خروارے میں ملاحظہ ہوں جو آپ کی تصانیف سے اخذ کئے گئے ہیں:

پیشانی کا داغ :

سائل نے صرف اتنا استفسار کیا کہ بعض نمازیوں کو بکثرت نماز کے ناک یا پیشانی پر جو سیاہ داغ ہو جاتا ہے۔ اس سے نمازی کو قبر و حشر میں خداوند کریم جلّ جلالہٗ کی پاک رحمت کا حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ اور زید کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے دل میں بغض کا سیاہ داغ ہوتا ہے اس کی شامت کی وجہ سے، اس کی ناک یا پیشانی پر کالا داغ ہوتا ہے۔ یہ یہ قول زید کا باطل ہے یا نہیں اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قلم کو جنبش آئی تو چھ صفحات مفسرانہ حیثیت سے لکھے اور ثابت فرمایا کہ نشانی کے متعلق چار قول ماثور ہیں اور ہر ایک کا حکم جُدا جُدا اور آیت سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (۱) کا ایسا مفہوم ادا فرمایا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اِن اوہام کا ازالہ

---

(۱) القرآن الحکیم : پ ۲۶ ، سورۃ الفتح آیت

فرمایا جو پیشانی کے داغ کو سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ میں سمجھتے ہیں[۲]
یہ مضمون سوانح احمد رضا میں چند صفحات پر پھیلا ہوا ہے جو نہایت قابلِ مطالعہ ہے
اور تمام تحقیق تفاسیر معتبرہ کے حوالہ جات سے مزیّن ہے۔ (۳)

آیتِ میثاق:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (الی آخرالایۃ) (۱) سے حضورِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلّم کی فضیلت مطلقہ پر گفتگو فرماتے ہوئے آخر میں تحریر فرمایا:۔

"اقول وباللہ التوفیق"۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون
کو قرآن کریم نے کس قدر مہتم بالشّان ٹھیرایا اور طرح طرح
سے موکد فرمایا۔

اولاً: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ معصوم ہیں زنہار حکمِ
الٰہی کے خلاف ان سے متحمّل نہیں کافی تھا کہ رب تعالیٰ بطریق امر
انہیں فرماتا کہ اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور
اس کی مدد کرنا مگر اس پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ان سے عہد وپیمان تھا
جیسے کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلّم۔ تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوی اللہ پر پہلا فرض ربوبیت
الٰہیہ کا اذعان ہے پھر اس کے برابر رسالتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان (صلی اللہ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجل وعظم)

ثانیاً: اس عہد کو لام قسم سے مؤکد فرمایا لتؤمنن بہ ولتنصرنہ
جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین لی جاتی ہے۔ امام سبکی فرماتے

---

(۲) فتاویٰ افریقہ (۳) سوانح احمد رضا ص۳۴۲

(۱) القرآن الحکیم: پ۳ سورۃ آل عمران آیت۔

ہیں۔
مسئلہ: سوگند بیعت اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہوئی ہے۔
ثالثاً:۔ نون تاکید رابعاً: وہ بھی ثقلیہ لا کر ثقل تاکید اور دوبالا فرمایا۔
خامساً: یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ابھی جواب نہ دینے پائیں کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں کہ۔
ءَاَقْرَرْتُمْ کیا اس امر پر اقرار لاتے ہیں یعنی کمال تعجیل و تسجیل مقصود ہے۔
سادساً: اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی بلکہ ارشاد فرمایا وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ (۲) خالی اقرار ہی نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔
(سابعاً) علیہ یا علیٰ ھٰذا کی جگہ علیٰ ذالکم فرمایا کہ بُعد اشارت عظمت ہو۔
ثامناً: اور ترقی ہوئی کہ فَاشْهَدُوْا ایک دوسرے پر گواہ ہو جائے حالانکہ معاذ اللہ اقرار کر کے مُکر جانا ان پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔
تاسعاً: کمال یہ ہے کہ صرف ان کی گواہی پر اکتفا نہ ہوا بلکہ فرمایا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (۳) میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

---

(۱) القرآن الحکیم: پ ۳، سورۃ آل عمران، آیت

(۲) القرآن الحکیم: پ ۳، سورۃ آل عمران آیت ۸۱

(۳) حوالہ: ایضاً

عاشراً: سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد باآنکہ انبیاء علیہم السّلام کو عصمت عطا فرمائی یہ سخت شدید تہدید بھی فرمادی گئی کہ :

فمن تولّٰی بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون (۱)

اب جو اس اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھیرے گا۔

یہ وہی اعتنائے تام و اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں بیان فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ٥ (۲)

جو ان میں سے کہے گا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں اس کو جہنم کی سزا دیں گے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو۔

گویا اشارہ فرماتے ہیں جس طرح ہمیں ایمان کے جزو لا الٰہ الا اللہ کا اہتمام ہے۔ یوں ہی جز دوم محمد رّسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتنائے تام ہے کہ میں تمام جہانوں کا خدا کہ ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے۔ اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتداء کہ انبیاء و مرسلین بھی اس کی بیعت و خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔

اور اس سے قبل اس آیت کا تبصرہ کئی صفحات پر فرمایا۔ تبصرہ کر کے

---

(۱) القرآن الحکیم، پ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۸۲

(۲) القرآن الحکیم : پ ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت

پھر معتبر تفاسیر اور محققین علماء کرام کی تصانیف کے خلاصہ کو دریا در کوزہ کی مثال قائم فرمائی (۱)

کلّی علم غیب:

اور یہ صرف اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ وسلم کا حصّہ تھا کہ جب اعدائے دین نے شانِ نبوت و رسالت اور شان ولایت پر ہاتھ ڈالا تو اعلحضرت کا قلم ڈھال بنا اور مذہب مہذّب اہلسنّت کے جمیع مسائل کو قرآنی اصول کے مطابق ڈھالنے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ حقیقت کو نصف النہار سے زیادہ آشکارا فرمایا چنانچہ علم غیب کلی اہلسنت اور مخالفین کے مابین نزاع کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

اعلحضرت قدس سرہٗ جب گویا ہوئے تو جلال الملت والدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ لیا۔ (۲)

چنانچہ اعلحضرت قدس سرہٗ نے علم غیب کُلّی کے دعویٰ میں تحریر فرمایا۔

بیشک حضرت عزّت عظمت نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا مشرق تا مغرب عرش تا فرش سب انہیں دکھایا۔ ملکوت السمٰوات والارض کا شاہد بنایا روز اول سے روز آخرت یعنی روز قیامت تک کے سب ماکان ومایکون انہیں بتائے اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہ رہا علم حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالا بلکہ ہر صغیرہ و کبیرہ ہر رطب و یابس کا جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا

---

(۱) تجلی الیقین

(۲) انتقام ن الامام السیوطی مختلف مقامات

تفصیلاً جان گیا۔ الحمد للہ حمداً کثیراً۔ بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا علم نہیں صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وکرّم۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چھوٹا حصّہ ہے۔ ہنوز احاطۂ علم محمّدی میں وہ ہزار در ہزار بے حدّ و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانیں یا ان کا عطا کرنے والا مالک ومولا جل وعلا (والحمد للہ العلی الاعلیٰ) کتب حدیث وتصانیف علمائے قدیم وحدیث ہیں اس کے دلائل کا شافی وبیان وافی ہے۔"

اس کے بعد علم غیب کے مسئلہ قرآنی آیات سے ثابت فرماکر آخر میں اصولِ قرآنی پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

عبارت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ:۔

اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے۔ اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں۔ ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے۔ نہ حدیث احاد اگرچہ کیسی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص تراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن۔ اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے تو بحمد اللہ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان وما یکون الیٰ یوم القیامۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا

اور شرق وغرب، سماء وارض عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہ رہا (۱)

جو کچھ اعلحضرت قدس سرہٗ نے اصول تفسیر میں مسطور اپنا مسلک واضح فرمایا وہی اصول امام سیوطی سیکڑوں سال پہلے بیان فرما گئے۔ چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

العام لفظ یستغرق الصالح لہ من غیر حصر وصیغۃ کل مبتدأۃ۔ وما۔ والمعرف بال۔ واسم الجنس المضاف والنکرۃ فی سیاق النفی ـ العام الباقی علی عمومہ من خاص القرآن ماکان مخصصا العموم السنۃ وھو عزیز قال ابن الحصار انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عن صحابی یقول آیۃ کذا نسخت کذا قال ویحکم بہ عند وجود التعارض المقطوع بہ مع علم التاریخ لیعرف المتقدم والمتاخر قال ولا یعتمد فی النسخ قول عوام المفسرین بل ولا اجتہاد المجتہدین من غیر نقل صحیح ولا معارضۃ بنیۃ لان ان النسخ یتضمن رفع حکم واثبات حکم تقرر فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم والمعتمد فیہ النقل والتاریخ دون الرأی والاجتہاد قال الناس فی ھذا بین طرفی نقیض فمن قائل لا یقبل فی النسخ اخبار الاحاد العدول ومن ....

یکتفی فیہ بقول مفسر او مجتہد والصواب خلاف قولھما

---

(۱) انباء المصطفیٰ ص ۲

اذا سیق العام للمدح والذم فهل هو باق علیٰ عمومه فیه مذاهب احدها نعم اذلا صارف عنه ولا تنافی بین العموم وبین المدح او الذم الخ (۱) (۲)

تبحّر فی الفن التفسیر کے نمونے :

بالاستیعاب تو نہیں چند آیات کے نمونے تفسیر حیثیت سے فقیر یہاں عرض کرتا ہے :۔

(۱) فتاویٰ افریقیہ ص۱ میں ہے سائل نے عبد المصطفیٰ نام رکھنے کے متعلق سوال لکھا تو اعلیحضرت نے عبد المصطفیٰ نام رکھنے کے جواب میں آیت وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم الخ (۳) سے استدلال فرمایا اس کے بعد تفسیر القرآن بالحدیث کے قاعدہ پر آیات کی تفسیر اور اپنے موضوع کو احادیث مبارکہ کے چند حوالہ جات سے مزین فرمایا پھر اس کے بعد تفسیر القرآن بالقرآن جو تفسیر کا اعلیٰ درجہ ہے آیت مذکورہ کے لئے یعبادی الذین اسرفوا سے استشہاد فرمایا۔ آپ کے اس استدلال پر فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کو سامنے رکھئے تو یقین آئے گا کہ اعلیحضرت قدس سرہٗ طرز استدلال میں امام رازی ہیں۔

(۲) اسی فتاویٰ افریقہ میں ص۱۹ میں سائل نے سوال کیا کہ آپ نے اپنی بعض تصانیف میں اہل اسلام کو مخاطب فرمایا کیا آپ کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں جبکہ آپ دوسروں کو

---

(۱) ماخوذ من اتقان : ج ۲ ص ۱۶ - ۲۷

(۲) ترجمہ وہی جو اعلیحضرت قدس سرہٗ کی عبارت میں گذرا (اویسی غفرلہٗ)

(۳) پوری آیت اس طرح ہے۔ وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔ پ ۱۸، سورۃ النور آیت ۳۲۔

کو تمہارا خدا کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اعلیحضرت قدس سرہٗ نے صرف اسی ایک چھوٹے سے سوال پر اختصاراً دس آیات اور دس احادیث سے جواب مرحمت فرمایا جو آپ کی قرآن دانی کا بیّن ثبوت ہے

(۳) اسی فتاویٰ افریقہ میں بد مذاہب سے بیزاری کے متعلق درجنوں آیات سے استدلال کے بعد متعدد احادیث مبارکہ سے استشہاد فرمایا۔

(۴) اسی فتاویٰ افریقہ کے ص۱۳ پر آیت وسیلہ کا بیان مفصّل و مفسّر فرمایا کہ جس میں وسیلہ کی تمام شقوں کی تفصیل پھر اس پر اسلاف صالحین کے ارشادات کی تزیین کے بعد پیری مریدی کے تمام اقسام واضح فرمائے جن میں سچّے اور جھوٹے پیروں فقیروں کی پہچان آسان فرمادی جو اسلاف صالحین کی تصانیف میں یکجا کہیں ایسی تحقیق کے ساتھ نہ ملے گی پھر کمال یہ ہے کہ صرف ایک جملہ کی تحقیق پر کتاب کے کئی صفحات پُر فرمائے۔ امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ کو ناقدین نے معاف نہ فرمایا کہ امام موصوف آیت کے مضمون کو اتنا طول دیتے ہیں کہ فن تفسیر کا رنگ بکھر جاتا ہے لیکن ہمارے امام ممدوح کا مضمون اتنا پُر بہا ہے کہ جتنا طویل ہوتا گیا ہے اتنا فن تفسیر اجاگر ہوتا چلا گیا ہے۔ اگر وہی ناقدین ہمارے امام ممدوح کے مضمون کو دیکھ لیتے قلمِ رضا کو چوم لیتے۔

(۵) اکثر مفسرین صرف ناقل ہوتے ہیں۔ استنباط کرنے والے گنتی کے چند ملیں گے۔ لیکن اعلیحضرت قدس سرہٗ کو اللہ کی طرف سے تائیدِ غیبی نصیب تھی کہ آیت کی تفسیر میں نقول معتبرہ کے ساتھ احادیث مبارکہ سے جب استنباط فرماتے تو دریا بہا دیتے۔ چنانچہ آیت اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط کی تفسیر میں "حقوق الاولاد علی الوالد" کے اسّی حقوق گنائے جو سب کے سب آیت کی تفسیر سے متعلق اور احادیث مبارکہ سے مستنبط ہیں صرف اسی مضمون پر ایک مستقل رسالہ مشعلۃ الارشاد تیار ہوگیا۔

پ ۲۱، سورۂ لقمٰن آیت ۱۴

اس کے علاوہ اور درجنوں بحثیں آیت کی تفسیر میں لائی گئیں جنہیں پڑھنے کے بعد تصدیق ہوتی ہے کہ اعلحضرت کا تبحر فی فنّ التفسیر بے مثالی ہے۔

(۶) اجمالی آیات کی تفسیر میں مفسّرین کا ہمیشہ اختلاف چلا آرہا ہے۔ لیکن مفسّرین کی عادت رہی ہے کہ اپنے موقف کو دلائل سے ثابت کرتے وقت زیادہ سے زیادہ درجنوں دلائل قائم کئے۔ لیکن اعلحضرت قدس سرہٗ کا طرز نرالا ہے کہ جب اپنے موقف کی توضیح فرماتے ہیں تو سینکڑوں دلائل و براہین حوالہ قلم فرماتے ہیں چنانچہ تجلی الیقین کی تصنیف ایک شہسوار قلم ہونے کی جیتی جاگتی دلیل ہے کہ منکرین نے جب آقائے کونین ماوائے ثقلین، رحمت کل ہادی سُبل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا انکار کیا تو درجنوں آیات قرآنیہ مع حوالہ جات تفاسیر مستندہ اور درجنوں احادیث صحیحہ اور اقوال اور اسلافِ صالحین کی مدلل تصنیفات سے استدلال فرمایا۔ اس تصنیف پر اعلحضرت قدس سرہٗ کو یوں انعام نصیب ہوا کہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت بشارت سے نوازا جس کا ذکر امام اہلسنت رضی اللہ عنہ نے تجلی الیقین کے آخر میں خود بیان فرمایا ہے۔

(۷) صرف ایک آیت پر سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھدی۔ جو پوری کتاب تفاسیر کے حوالہ جات کے علاوہ اپنے استنباط کے ساتھ اصول تفسیر سے موضوع کو مضبوط و موثوق فرمایا۔ مثلاً آیت ممتحنہ کی تفسیر الحجۃ المؤتمنہ قابل مطالعہ کتاب ہے۔

(۸) مختلف مسائل پر تفاسیر گننے بیٹھتے تو تفاسیر کے حوالہ جات کے ڈھیر لگا دیتے چنانچہ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (۱) کی توثیق میں تفاسیر معتبرہ کے حوالہ جات لکھوائے حیات اعلحضرت میں مذکور ہے کہ اس سلسلہ میں آپ نے ۳۶ تفاسیر کے اقتباسات تحریر کرائے اور فرمایا کہ ان کے علاوہ اور بھی حوالہ ہائے تفاسیر موجود ہیں۔

---

(۱) پ ۶، سورۃ المائدہ ۵ آیت ۳

(۹) تفسیر میں قرآنی نکات بیان فرمائے تو خود مفسرین حیرت میں آگئے ملفوظ شریف حصہ چہارم میں فرمایا کہ ساتوں آسمان ساتوں زمینیں دنیا ہے اور ان سے ورا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ عرش کرسی دار آخرت۔ دار دنیا شہادت ہے اور دار آخرت غیب؛ غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ (۱) اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲) مفاتیح کا حرف اول میم "م" اور آخری حرف حا، "ح" اور مقالید کا پہلا حرف "م" اور آخری حرف "د" مرکب کرنے سے نام اقدس ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ غیب و شہادت کی کنجیاں سب دے دی گئی ہیں۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شے ان کے حکم سے باہر نہیں۔

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانی دل و جان نہیں

کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں، مگر اک نہیں کہ وہاں نہیں

یا اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ مفاتیح و مقالید غیب و شہادت سے سب حجرہ ہائے خفا یا عدم میں مقفل تھے وہ مفتاح و مقلد جس سے ان کا قفل کھولا گیا اور میدان ظہور میں لایا گیا وہ ذات اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی، اگر آپ تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل حجرۂ عدم یا خفا میں رہتے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(۴) (۵)

---

(۱) پ، سورۃ انعام آیت ۵۹ (۲) پ۲۵، سورۃ الشوریٰ آیت ۱۲۔ (۳) حدائق بخشش ص

(۴) حدائق بخشش (۵) الملفوظ حصہ چہارم ص ۴۰۰ تا ۴۰۱

(۱۰) اعلیحضرت قدس سرہٗ کا تبحر فی فن التفسیر سمجھیئے یا کرامت کہ خلاف عادت قرآن کی آیات سے برجستہ مخالف کو جواب دیا چنانچہ ایک رافضی نے کہا کہ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ہ کے عدد (۱۲۰۲) ہیں اور یہی عدد ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہما کے ہیں (معاذاللہ) اعلیحضرت قدس سرہٗ یہ سن کر بے قرار ہو گئے۔ فوراً بلا تاخیر برجستہ کئی صفحات جوابات بیان فرمائے۔ وہ جوابات پڑھیئے (رافضی لعنہم اللہ تعالیٰ) کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سر و پا پر ہوا ہے۔ اولا ہر آیت عذاب کے عدد اسماء اخیار سے مطابق کر سکتے ہیں۔ اور ہر آیت ثواب کے اسماء کفار سے۔ کہ اسماء میں وسعت وسیعہ ہے۔ رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا کوئی ناصبی ادھر پھیرے گا اور (رافضی و ناصبی) دونوں ملعون ہیں۔ رافضی نے اعداد غلط بتا دیئے۔

امیر المومنین حضرت عثمٰن غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک میں الف نہیں لکھا جاتا تو عدد بارہ سو ایک ہیں نا کہ دو۔

(۱) ہاں رافضی بارہ سو عدد کا ہے کہ ابن سبا در افضیہ۔۔۔۔

(۲) ہاں رافضی بارہ سو دو عدد ان کے ہیں، ابلیس، یزید، ابن زیاد، شیطان۔

(۳) ہاں رافضی، اللہ عزوجل فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ہ

بے شک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ درگروہ ہو گئے اے نبی تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں (سورۃ الانعام، رکوع ۲۰)

اس آیت کریمہ کے عدد ۲۸۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں روافض اثنا عشریہ شیطانیہ اسماعیلیہ کے اور اگر اپنی طرح سے اسماعیلیہ میں الف چاہیئے تو یہی عدد ہیں روافض اثنا عشریہ و نصیریہ اسماعیلیہ کے۔

(۴) ہاں، اور رافضی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّار (سورۃ الرعد۔ رکوع ۳) ان کے لئے ہے لعنت اور ان کے لئے ہے بُرا گھر۔ اس کے عدد ۴۴۶ ر اور یہی عدد ہیں شیطان الطاق طوسی حلی کے۔

(۵) نہیں، اور رافضی بلکہ اللہ عزّوجل فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ (سورۃ الحدید رکوع ۳) وہی اپنے رب کے ہاں صدّیق اور شہید ہیں ان کے لئے ان کا ثواب ہے۔ اس کے اعداد ۱۴۴۵ اور یہی عدد ہیں ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ، علی، سعید رضی اللہ عنہم کے

(۶) نہیں اور رافضی! بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وہی اپنے رب کے حضور صدّیق و شہید ہیں ان کے لئے ہے، ان کا ثواب اور اُن کا نور (سورۃ الحدید رکوع ۳)

اس کے اعداد ۱۷۹۲ اور یہی عدد ہیں ابوبکرؓ عثمانؓ علی، طلحہ، زبیر، سعیدؓ کے

(۷) نہیں اور رافضی! بلکہ اللہ عزّوجل فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۝ (سورۃ الحدید رکوع ۳) جو لوگ ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں۔ ان کے لئے ان کا ثواب اور ان کا نور۔

آیت کریمہ کے عدد ہیں تین ہزار سولہ (۳۰۱۶) اور یہی عدد ہیں صدّیق، فاروق، ذوالنورین، علی، طلحہ، زبیر، سعید، ابوعبیدہ، عبدالرحمٰن ابن عوف)

آخر میں فرمایا الحمد للہ آیت کریمہ کا تمام کمال جملہ مدح بھی پورا ہوگیا۔ اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسماء طیبہ بھی سب آگئے جس میں اصلاً تکلف و تصنع کو دخل نہیں۔ چند روزوں سے آنکھ دکھتی ہے۔ یہ تمام آیات عذابؒ

اسماء اشرار و آیات مدح و اسماء اخیار کے عدد محض خیال میں مطابق کئے جس میں صرف چند منٹ صرف ہوئے اگر لکھ کر اعداد جوڑے جاتے تو مطابقتوں کی بہار نظر آتی مگر بعونہٖ تعالیٰ اس قدر بھی کافی ہے۔ وللہ الحمد واللہ اعلم (تقریر احمد رضا قادری غفرلہٗ

اس فتویٰ کو نقل کر کے مستفتی نے لکھا ہے شیعہ یعنی رافضی کا ماشاء اللہ دلیہ نہیں بلکہ قیمہ ہو گیا۔ اب مجال دم زدن نہیں، فقیر نے یہ کرامت اعلحضرت، عظیم البرکت مجدد دین وملت، امام اہلسنت وجماعت بچشم خود ملاحظہ کی کہ چند لمحوں میں ان تمام آیات و اعداد کی مطابقت زبان فیض والہام ترجمان سے فرمائی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ قریب نصف گذر چکی تھی۔ واللہ باللہ عدد اخیار و اشرار کے اسماء بلا سوچے اور بے تامل کئے فرمادیئے کہ فقیر سوا اس کے اور اندازہ نہیں کر سکتا کہ یہ اعلحضرت کی کرامت کا اظہار بذریعہ القائے ربانی و الہام سبحانی تھا۔

وقت کے پیش نظر یہ چند جملے پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ دفتر کے دفتر اس موضوع کے لئے بھر جائیں۔ انہیں چند سطور کو مولیٰ عزّوجل قبول فرمائے (آمین)

فصلی اللہ تعالیٰ حبیبہٖ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ہ

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور پاکستان

۱۹ر صفر ۱۴۰۳ھ

حیات اعلحضرت۔ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰

مولانا اختر الحامدی

کلام رضا
اور
عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ اُردو کی نعتیہ شاعری میں درجۂ امامت حاصل ہے بلکہ فارسی اور عربی میں بھی، اس لئے میرے جیسے تہی دست اور کوتاہ علم کے لئے اُن کے فنی کمالات اور ادبی و شعری گلکاریوں کا احاطہ کر لینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے تاہم اپنی بساط کے مطابق سرِدست بعض فنی و معنوی کمالات کا ذکر کر کے بارگاہِ رضویت میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

نعت گوئی اور پاسِ شریعت

جس طرح عبادات کے لئے کچھ آداب مقرر ہیں اِسی طرح نعت گوئی کے لئے بھی کچھ قوانین ہیں، جو اتنے سخت ہیں کہ اُن کی حدود میں رہ کر نعت کہنا بڑے دِل گُردے کا کام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی کا حقیقی شعور توفیقِ ایزدی ہی سے نصیب ہوتا ہے۔ جملہ اصنافِ سخن میں نعت ہی ایسی صنف ہے جو انتہائی دشوار اور مشکل ہے۔ اس میدان میں بڑے بڑے ہوشمند ٹھوکریں کھاتے دیکھے ہیں۔ رنگِ مجاز میں آپ آزاد ہیں لیکن نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جس کا دل سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اور سچی محبت سے سرشار ہو اور اس کے ساتھ علم شریعت سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہو ——— جو دیوانوں کی طرح سوچے اور ہوشمندوں کی طرح لکھے۔ یہ ایک ایسا گلستان ہے جس میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہیں، جن سے ایک کاملِ فن ہی دامن بچا کر پھول چُن سکتا ہے۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں:-

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں پہنچ جاتا ہے، اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔" [۱]

سرکارِ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے مذکورہ قول کی اُس وقت پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے جب ہمیں گلزارِ نعت میں ماہر گل چینوں کے دامن بھی کانٹوں میں اُلجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت محسنؔ کاکوروی نے سراپائے مُبارک لکھا، جسے خوب شہرت حاصل ہوئی، اُس کا یہ آخری شعر ملاحظہ فرمائیے:۔

مفت حاصل ہے، مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کھوٹے داموں بکے، یوسفؑ کی یہ تصویر نہیں

بلحاظِ فن یہ شعر آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو مصرعہ ثانی سے ایک اولوالعزم نبی کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے ــــــ حضرتِ محسنؔ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! اِس سراپائے مُبارک کو بروزِ حشر بارگاہِ ربوبیت میں پیش کروں۔ باری تعالےٰ اس کے بدلے میں حور و قصور عطا فرمائے تو دست بستہ عرض کروں، الہ العالمین! یہ مفت پیش کر سکتا ہوں لیکن حور و قصور اِس کا بدل نہیں، کیونکہ یہ یوسف علیہ السلام کی تصویر نہیں کہ کھوٹے داموں بیچ دی جائے ــــــ ایک اور قصیدے کا شعر ہے:۔

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے خامہ کی
بڑھا معلوم ہو لفظِ احد پر میم احمد کا

حضرت محسنؔ کاکوروی علیہ الرحمۃ کی شاعرانہ عظمت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا شعر عالم استغراق یا جوشِ روانی میں سپردِ قلم ہوئے اور غیر شعوری طور پر ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا، حالاں کہ یہ وُہ نازک بارگاہ ہے کہ:۔

---

[۱] الملفوظ، حصّہ دوم: ص ۴۰

ع نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مشہور شاعر جناب آطہر ہاپوڑی مرحوم نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک نعت ارسال کی جس کا مطلع تھا :-

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے برہم ہوکر فرمایا، مصرعۂ ثانی منصبِ رسالت سے فروتر ہے۔ حبیبِ کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کو لیلےٰ سے، گنبدِ خضرا کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دینا سخت بے ادبی ہے اور یوں قلم برداشتہ اصلاح فرمائی :-

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلےٰ کے سامنے

ایک صاحب نے بارگاہِ اعلیٰحضرت میں حاضر ہوکر اپنے نعتیہ اشعار سُنانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں یا حضرت کافی مرادآبادی کا کلام سنتا ہوں (اس لئے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت میں تُلا ہوُا ہوتا ہے) اگرچہ حضرت کافیؒ کے یہاں لفظ رُعنا کا استعمال بھی موجود ہے، اگر وہ اپنی اِسی غلطی پر آگاہ ہو جاتے تو یقیناً اِس لفظ کو بدل دیتے۔ پھر خیالِ خاطرِ احباب کے پیشِ نظر اُن صاحب کو کلام سُنانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اُن کا ایک مصرعہ یہ تھا :-

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اِسی در سے گھٹی

آپ نے فوراً شاعر موصوف کو روک دیا اور فرمایا :- حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی شان گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیاء کرام کی عظمت و بزرگی میں چار چاند لگانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ مصرعہ یوں بدل دیا جائے :-

شانِ یوسفؑ جو بڑھی ہے تو اِسی دَر سے بڑھی

آدابِ نعت گوئی اور اس کے شعور و عرفان کے ساتھ فاضل بریلوی کی نظر کی گہرائی کی داد دیجئے کہ معمولی سی شرعی لغزش بھی آپ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی اور پھر مصرعوں کی تبدیلی سے

مضمون کس قدر جاندار ہو گیا ہے ـــــــ حقیقتاً آپکی یہ باریک بینی اور نظر کی گہرائی اُن خُداداد صلاحیتوں میں سے ایک ہے جن کی بنا پر علمائے عرب و عجم نے آپ کو مجدد اور امام زمانہ تسلیم کیا تھا ـــــــ جو ذاتِ گرامی صرف تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں جملہ علوم عقلی و نقلی میں ماہرانہ استعداد کی سند لے کر مسندِ افتا پر جلوہ افروز ہو اُس کے تبحر علمی پر ذہانت و فطانت جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

جب ہم آپ کی پہلو دار شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو موجودہ صدی کی سر برآوردہ علمی شخصیتوں میں آپ کا قدوقامت سب سے بلند نظر آتا ہے اور آپ کا مقامِ فضیلت سب سے مرتفع۔ آپ بیک وقت ایک متبحر عالم، مفسر، محدث، فقیہ، مفکر، فلاسفر، خطیب، اُردو کے بلند پایہ ادیب اور نعت گوئی میں منفرد حیثیت کے شاعر تھے۔ مختلف علوم و فنون پر کم و بیش ایک ہزار تصانیف آپ کی رفعتِ علم، بلندئ فضیلت، عُلوِّ فن، اور قدرت و مہارت کی آئینہ دار ہیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا کوئی تشنگی باقی نہ چھوڑی۔ جس عنوان کو اپنایا اُس کا گوشہ گوشہ منور کر دیا۔ نثر کی جانب چلے تو ایسے لعل و جواہر بکھیرے کہ عروسِ نثر کو کبھی تہی دامنی کا شکوہ نہ ہو گا۔ شاعری کی طرف آئے تو وہ گل بوٹے کھلائے کہ ناطورہ نظم کو ہمیشہ کے لئے بہشت بداماں بنا دیا۔

فاضلِ بریلوی کے عہد پر نظر ڈالیں اور ذرا پیچھے کی طرف جھانک کر دیکھیں تو تاریخ کے صفحات پر بڑے بڑے نعت گو شعراء نظر آتے ہیں۔ شہید تحریک آزادی، حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی، خواجہ میر درد، مولانا شاہ عبدالقادر فقیر قادری بدایونی، حضرت علی احمد اسیر بدایونی تلمیذ غالب دہلوی وغیرہم اور آپ کے معاصرین میں مفتی امیر احمد امیر مینائی محسن کاکوروی، بیان یزدانی، اکبر وارثی، اور حسن بریلوی وغیرہم (رحمۃ اللہ علیہم) یہ سب اُردو نعت کے آفتاب و ماہتاب ہیں اور ان کا شمار اساتذہ نعت میں ہوتا ہے۔ ان کے کمالِ نعت گوئی نے اِس فن مبارک کو اُردو ادب میں ایک خاص مقام دلوایا اور اس میدان میں انہوں نے جو سرگرمی دکھائی اُس کی بدولت آج یہ فن زندہ ہے۔

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اور آپ کے معاصرین کے کلام میں جو نمایاں فرق ہے وہ سچا

عشقِ رسولؐ ہے، جس نے آپ کو اُن تمام سے ممیز و ممتاز کر دیا ہے۔ آپ کے ہر شعر میں اس کی نورانیت نظر آتی ہے۔ یہی وہ شمع ہے جس کی روشنی میں آپ اُن تمام مشکل ترین منزلوں کو بھی بآسانی طے کرتے چلے گئے جہاں بڑے بڑے علماء و شعراء کے قدم ڈگمگانے لگے اور بعض ٹھوکریں کھاتے دیکھے گئے ——— اِس روشنی سے نہ صرف آپ ہی کا دانش کدہ منور ہے بلکہ آپ نے اِس کی شعاعوں سے ہند و پاک کی فضائے شعر و حکمت میں ایسا چراغاں کیا ہے جو ہمیشہ روشن رہے گا اور جس کے اُجالے میں مستقبل کا جویائے راہ سلامت روی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود پالے گا۔

آپ کا مجموعۂ نعت حدائقِ بخشش نہ صرف عشقِ حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعتِ حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتابِ عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں، جو آنکھوں کے راستے دِل میں اُتر کر کائناتِ حیات کو منور کر دیتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوئے حبیب کی حدیثِ عشق سُنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت یہ اندازِ بیاں، یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشقِ حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پَرت پَرت کھولتے چلے جائیے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔

اِس میدان میں بڑے بڑے نعت گو اساتذہ کے قدم ڈگمگا گئے ہیں اور اِس کسوٹی پر کوئی بھی پورا نہیں اُتر سکا ہے، حالاں کہ اساتذۂ نعت میں وہ بھی ہیں جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم و مفتی بھی تھے۔ چند شعراء کا نمونۂ کلام پیش کیا جاتا ہے ——— بانیٔ مدرسۂ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے جسے سرخیل عُلمائے دیوبند، مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے خطبات میں تحریر کیا ہے:۔

گرفت ہوگی تجھے ایک بندہ کہنے پر
جو ہو سکے بھی خدائی کا اِک ترا انکار

یعنی اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدائی کا انکار ممکن بھی ہو تو پھر آپ کو بندہ کہنے پر گرفت یقینی ہے۔ بالفاظِ دگر:۔ کوئی تیری خُدائی نہ بھی تسلیم کرے تب بھی تجھے بندہ نہیں کہا جا سکتا ورنہ گرفت ہوگی۔ یہ عقیدۂ توحید و رسالت سے کس قدر ناآشنائی ہے۔ صحیح عقیدہ وہ ہے

جو اعلحضرت نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا :۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و مُحب میں نہیں میرا تیرا

یعنی میں تو اے آقائے کون و مکان صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو ساری کائنات کا (مجازی) مالک ہی کہوں گا، کیونکہ آپ مالکِ دوجہاں کے حبیب ہیں۔ چونکہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ مُحب اور محبوب کے درمیان یہ سوال ہی ختم ہوتا ہے کہ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے بلکہ جس شئے کا مُحب مالک ہوتا ہے محبوب کو بھی اُس کا مالک بنا دیتا ہے۔ فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب کی ملکیت و ملوکیت کو ثابت کیا اور شریعتِ مطہرہ کے عین مطابق عقیدہ ظاہر کیا لیکن نانوتوی صاحب ایک جانب تو حبیبِ خُدا کی خُدائی کا انکار نا ممکن بتا رہے اور دوسری جانب اُسے گرفت کی وعید سنا رہے ہیں جو آپ کو بندہ کہے حالاں کہ تمام کائنات سے افضل اور بعد از خُدا بزرگ و برتر ہونے کے باوجود یقیناً آپ خُدا کے بندے ہیں ——— سابق اخبار "زمیندار" کے ایڈیٹر مشہور سیاست دان، صحافی اور شاعر، مولوی ظفر علی خاں کا یہ شعر ملاحظہ ہو :۔

ارسطو کی حکمت ہے یثرب کی لونڈی
فلاطون طفلِ دبستانِ احمد

فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے، بخاری و مسلم کی حدیث ہے :۔ يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ ۔ لوگ اِسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ممانعت کے باوجود ظفر علیخان صاحب نے اِس لفظ یثرب کو اپنی نعتوں اور نظموں میں بکثرت استعمال کیا ہے۔ استاذ الاساتذہ، منشی امیر احمد امیر مینائی مرحوم نہ صرف بلند پایہ شاعر تھے بلکہ سنی صحیح العقیدہ بزرگ تھے۔ اِس کے باوجود دیگر شعراء کی طرح وہ بھی اپنی نعتوں میں جابجا لفظ یثرب استعمال کر گئے۔ نمونے کے طور پر موصوف کے صرف تین شعر ملاحظہ ہوں :۔

شوقِ یثرب ہے، یہاں تک کہیں لگتا نہیں جی ٭ ملک بیگانہ نظر آتا ہے کشورِ اپنا[1]

خاکِ یثرب ہے، مرتبے میں حرم ٭ واہ رے احترام احمدؐ کا[2]

ہے عجب تاثیر خاکِ پاک یثرب میں جہاں ٭ منقلب ہو کر بدن میں نور بن جاتی ہے روح[3]

لفظِ یثرب کا استعمال تو ہو رہا ہے ایک جانب لیکن علم شریعت کی شمع رکھنے کے باوجود حضرت امیر مینائی مرحوم نعتِ حبیب لکھتے ہوئے راستہ بھول کر اُلوہیت کی منزل میں پہنچ جاتے ہیں اور بیخبری کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ یہ شعر ملاحظہ ہو :-

ظاہر ہے کہ ہے لفظِ احد احمدِ بے میم

بے میم ہوئے عینِ خدا ، احمدِ مختار[4]

ظاہر ہے کہ لفظ احد حقیقت میں بے میم احمد ہے یا لفظ احمد سے میم علیحدہ کر دیں تو لفظ احد رہ جاتا ہے اور اس سے امیر مینائی مرحوم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احمد و احد ایک اور احمدِ مختار عین خدا ہیں ۔ (نعوذ باللہ) آپ مشکل سے یقین کریں گے یہ شعر امیر مینائی جیسے ہوشمند شاعر کا ہے ۔ مزید دیکھئے :-

قرآن ہے خورشید تو نجم اور صحیفے

اللہ گہر اور صدف احمدِ مختار[5]

مصرعۂ ثانی شرعاً قابلِ گرفت و لائق اعتراض ہے ، کیوں کہ صدف سے گہر پیدا ہوتا ہے ۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صدف ہوئے اور ذاتِ باری تعالیٰ گہر تو غور فرمایئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے ۔ موصوف کا یہ شعر بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں :-

طُور کا جلوہ تھا ، جلوہ آپ کا

لَن تَرانی تھی صدائے مصطفےٰ[6]

موصوف کے نزدیک طور پر جو تجلی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دیکھی تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا جلوہ تھا اور لَن تَرانی بھی حضور ہی نے کہا تھا (گویا نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] محامد خاتم النبیین مطبوعہ لکھنو ، ص ۳۲ [2] ایضاً ص : ۳۵ [3] ایضاً ص : ۴۴

[4] ایضاً ص : ۴۹ [5] ایضاً ص : ۴۷ [6] ایضاً ص : ۳۷

خُدا کے پردے میں خُود ہی لَن ترانی گو تھے)۔ یہ عقیدۂ توحید کے بالکل منافی ہے۔ یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:۔

طُور روضہ ہے، میں صورتِ موسیٰ لیکن
اَرِنی مُنہ سے نکالوں جو مزار آئے نظر [1]

اُن کے نزدیک روضۂ رسول کو وطُور ہے، آپ بصورتِ موسیٰ علیہ السلام ہیں اگر انہیں روضۂ اطہر نظر آجائے تو وہ ربِ اَرِنی کہنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب قرار دینا نعت گوئی نہیں ہے بلکہ منصب نعت گوئی سے بھٹک جانا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:۔

پاک تھی رنگِ دورنگی سے وہ خلوت گہہ خاص
وہی شیشہ، وہی مے خوار تھا معراج کی شب [2]

قابَ قوسَین کی خلوت گاہِ خاص میں دو نہ تھے بلکہ صرف ایک ہی ذات تھی، وہی ذات شراب کی بوتل اور وہی شراب پینے والی تھی۔ امیر مینائی صاحب کا وہی سے خُدا کی طرف اشارہ ہے، یا حبیبِ خُدا کی جانب، یہ خُدا ہی بہتر جانتا ہے۔ خُدا کو رسولِ خُدا کا منصب دینا یا رسولِ خُدا کو خُدا کے مقام پر فائز کرنا یا دونوں کو ایک قرار دینا، ساری صورتیں ہی قابلِ اعتراض ہیں نیز خُدا اور حبیبِ خُدا کو شیشہ و شراب و میخوار جیسے الفاظ سے تشبیہ دینا کوئی اچھی جسارت نہیں۔ ایک اور شعر ہے:۔

اللہ بخش دے جو وہ شیطان کے ہوں شفیع
ہم مجرموں کے جرم تو ہیں کس حساب [3] میں

اِسی طرح کا ایک شعر اور ملاحظہ ہو:۔

آیا خیالِ انجمنِ لامکاں ہمیں
دیکھے کبھی جو عاشق و معشوق داب میں [4]

اِس شعر کا مصرعۂ ثانی مبتذل ہے۔ انجمنِ لامکان و بزمِ اسرٰی میں خُدا اور حبیبِ خُدا کی ملاقات کہاں اور دُنیاوی عاشق و معشوق اور اُن کا داب کہاں۔ مندرجہ بالا دونوں اشعار کا مضمون و تخیل

---

[1] محامد خاتم النبیین، ص ۴۹ [2] ایضاً ص ۲۹۱ [3] ایضاً ص ۶۵ [4] ایضاً ۶۵

مبنی بر تضحیک و ابتذال ہے جو نعت کے لئے قطعاً نامناسب اور خلافِ ادب ہے۔ مشہور نعت گو شاعر، حضرت حافظ پیلی بھیتی کا شمار بھی اساتذۂ نعت میں ہوتا ہے، ذرا اُن کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے :۔

وُہی جو مُستویِٔ عرش تھا خُدا ہو کر
اُتر گیا ہے، مدینے میں مصطفٰے ہو کر

جو ذات عرشِ معلّیٰ پر خُدا کے نام سے مُستوی تھی اَب وہ مُصطفٰے کا نام اختیار کر کے مدینے میں تشریف لے آئی ہے۔ موصوف کا یہ تخیّل ہی کونسا کم قابلِ اعتراض ہے لیکن لفظ تھا کے تیور تو ملاحظہ ہوں ——— بات کہاں پہنچی کہ اَب وہاں خُدا نام کی کوئی ذات نہیں ہے، جو ذات کبھی تھی وہ عرصہ ہوا مدینے میں مُصطفٰے بن کر اُتر آئی ہے (نعوذ باللہ)۔ حضرت حافظ پیلی بھیتی بھی نعت گوئی کے پلصراط سے سلامت روی کے ساتھ پار نہ ہو سکے۔ حبیبِ خُدا کو خُدا کے منصب پر بٹھانا نعت گوئی نہیں بلکہ بھٹکنا ہے۔

کونسا پڑھا لکھا سنّی ہے جس نے بلبلِ باغِ مدینہ، عاشقِ رسول، حضرت کرامت علی شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہ سُنا ہوگا۔ اُن کا مندرجہ ذیل شعر پاک و ہند کے بچّے بچّے کی زبان پر آج بھی جاری ہے :۔

تمنّا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقیّد کا

مگر فردوسِ نعت کی سیر کرتے ہوئے لاشعوری طور پر وُہ بھی کانٹوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔ چنانچہ اسی نعت شریف کا ایک شعر یہ بھی ہے :۔

خُدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبّت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمّد کا

یہ شعر یوں تو محبّتِ سرکارِ مدینہ کے عطر میں ڈوبا ہُوا ہے اور ہر لفظ سے شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کی محبّت و عقیدت کا جام چھلکتا ہُوا نظر آ رہا ہے لیکن منہ چومنا، بوسہ دینا، انسانی فعل ہے جس سے ذاتِ باری تعالیٰ پاک اور منزّہ ہے ——— حضرت بیدم وارثی کا یہ شعر ملاحظہ ہو :۔

عشق کی ابتدا بھی تم ، حُسن کی انتہا بھی تم
رہنے دو راز کھل گیا ، بندے بھی تم خُدا بھی تم

موصوف نعت گوئی کی حد سے کتنے پرے نکل گئے ہیں ۔غرضیکہ امیر مینائی ، محسن کاکوروی حافظ پیلی بھیتی اور شہیدی بریلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اُردو نعت کے اساتذہ فن ہیں ، جن کی خدمات تاریخ نعت گوئی ہرگز فراموش نہیں کرسکے گی ۔ ان حضرات کے خلوصِ نیّت اور جذبۂ عقیدت پر کوئی کوتاہ بیں اور تنگ نظر ہی شک کرے گا ۔ اگر ان حضرات کو اپنی شرعی لغزشوں پر آگاہی ہوجاتی تو یقیناً وہ اس قسم کے اشعار کو بدل دیتے اور آئندہ کے لیے محتاط ہوجاتے ۔

موجودہ دَور کے نعت گو شعراء میں سے صرف جناب اعظم چشتی صاحب کے چند اشعار پیش کرتا ہُوں ، جن کا نعتیہ کلام ملک کے مقبول اور کثیر الاشاعت رسائل وجرائد کی زینت بنتا رہتا ہے اور ریڈیو پاکستان سے بھی اکثر فردوس گوش ہوتا رہتا ہے ۔ بہت اچھی نعتیں لکھتے ہیں ، پڑھتے بھی خوب ہیں ۔ آواز پاٹ دار اور گلے میں قدرتی سوز ہے ۔ پڑھتے وقت مجسّم شعر بن جاتے ہیں ۔ نوجوان شاعر ہیں ، تاریخ نعت گوئی کو ان سے مستقبل میں کافی توقعات ہیں

جناب کوثر نیازی نے اُن کے مجموعۂ کلام پر دیباچہ لکھتے ہوئے موصوف کو نعت خوانِ اعظم کہا ہے ۔ دیباچے میں ایک جگہ لکھا ہے :۔

"وہ نعت کے لئے غزل کا پیرایہ استعمال کرتا ہے مگر شریعت کا مزاج برہم نہیں ہوتا ۔" [۱]

مگر جہاں تک احقر نے اُن کے کلام کا مطالعہ کیا ہے بعض جگہ موصوف کا قلم بھی شاہراہِ شریعت کو چھوڑ کر الوہیت کی حُدود میں داخل ہوگیا ہے ، جس سے شریعت کا مزاج تو کیا پورا نظامِ شریعت ہی درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے ۔ موصوف کا یہ شعر ملاحظہ ہو :۔

انسانیت کو بخشی وہ معراج آپ نے
ہر آدمی سمجھنے لگا ہے ، خُدا ہوں میں [۲]

موصوف کے نزدیک سرورِ کون ومکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے انسانیت کو جہالت اور بُت پرستی کی پستی سے اُٹھا کر اعلیٰ اخلاق کا درس دے کر وہ عروج بخشا کہ ہر آدمی اپنے آپکو خُدا سمجھنے لگ گیا ہے ——— نبیٔ اکرم ، ہادیٔ اعظم صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عالم

---

[۱] نیّرِ اعظم ، ص ۱۴

انسانیت کو توحید کا سبق دینے اور سب کو ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکانے کے لئے تشریف لائے تھے نہ کہ نعوذ باللہ انسانوں کو خدا بنانے کے لئے۔ ایک انسان شرفِ انسانیت سے کتنا ہی مشرف کیوں نہ ہو جائے، کتنا ہی عروج کیوں نہ پائے لیکن اتنی ترقی ہرگز نہیں کر سکتا کہ وہ خدا ہو جائے۔ بندوں کو خدا سمجھنا انسانیت کا تنزل تو ہے معراج ہرگز نہیں

ایک اور شعر ہے:-

عبد و معبود میں ہے نسبتِ تام
ہے محمد بھی احمدِ بے میم[1]

موصوف کے نزدیک بندے اور خدا میں اس درجہ مکمل نسبت ہے کہ بایں تعلق و نسبت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے میم کے احمد یعنی اَحد (خدا) ہیں۔ (استغفر اللہ)۔ مزید لکھا ہے:

عقل کہتی ہے مِثلُنا کہئے
عشق بیتاب ہے خدا کہئے[2]

مفہوم ظاہر ہے۔ نہ جانے اعظم صاحب اپنے اشعار میں لفظِ خدا کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو:-

نہاں تا بود در پردہ، خدا بود
چوں ظاہر شد، محمد مصطفیٰ بود[3]

اعظم چشتی صاحب کے نزدیک وہ جب تک پردے میں تھا تو اُس کا نام خدا تھا اور جب پردے سے ظاہر ہوا تو محمد مصطفیٰ بن گیا۔ یہ شعر حافظ پیلی بھیتی کے اُردو شعر کا فارسی ترجمہ جو پیچھے مذکور ہوا۔ یہ بھی لکھا ہے:-

---

[1] نیرِ اعظم: ص ۵۷ [2] ایضاً: ص ۶۱ [3] ایضاً: ص ۶۶

آگئی سامنے آنکھوں کے اللہ کی صورت
آئے سرکار جو اللہ کی بُرہان بن کر ۱؎

یعنی اُن کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ایسی روشن دلیل بن کر تشریف لائے کہ خُدا کی صورت ہی سامنے آگئی ـــــ کیا خدا کی بھی شکل وصورت ہے ؟ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ میری صورت خُدا جیسی ہے یا میں خُدا کا ہم شبیہ ہوں ؟ ـــــ یہ شعر بھی قابلِ غور ہے :۔

خالقِ عرش ، سرِ عرش ، بہ صد رعنائی
جلوہ فرما ہے بہ اندازِ دگر آج کی رات ۲؎

موصوف کے نزدیک اللہ رب العزت معراج کی رات میں تمام رعنائیوں کے ساتھ کسی دوسرے ہی انداز میں سرِعرش جلوہ افروز تھا ـــــ لفظ رعنائی خالقِ عرش کے لئے غور طلب ہے جب کہ علمائے کرام نے حبیبِ خُدا کے لئے بھی اِس لفظ کا استعمال منع فرمایا ہے ۔ غور طلب ہے کہ اُس بے نیاز کو رعنائیوں کی ضرورت ہی کیا ؟ کیا پہلے وہاں کسی چیز کی کمی ہے ؟ بننے سنورنے اور آرائشِ حُسن و زیب و زینت کی احتیاج انسان کو ضرور ہے لیکن وہ بے نیاز تو نُور ہی نُور ہے جس میں نہ کمی ممکن نہ زیادتی ۔

خود میرے نانا جان ، حضرت مولانا حافظ سید راحت علی صاحب علیہ الرحمۃ جو اپنے دَور کے جید عالم تھے اور جو دھپور کے جید علماء میں جن کا شمار تھا اور جن کی نظر علوم شرعیہ میں بڑی گہری تھی ، وہ بھی اسی طرح بھٹک گئے تھے ۔ چنانچہ موصوف کا ایک شعر ہے :۔

مدینہ مسرورِ ہر دو جہاں ہے
زبان اللہ کی ، میری زبان ہے

اِس شعر میں دو شرعی گرفت ہیں ۔ ایک تو ذاتِ باری تعالیٰ کی زبان بتانا حالاں کہ وہ زبان سے پاک ہے ۔ دوسرے اپنی زبان کو زبانِ قدرت سے تشبیہ دینا اور مدحت نگاری میں ہمسری کا دعوےٰ ـــــ مندرجہ بالا تحریر و تنقید سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ میدانِ نعت گوئی میں بڑے بڑے شہسوار ٹھوکر کھا جاتے ہیں ۔ اِس پُل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزر جانا ہر کسی کا کام نہیں ۔

۱؎ نیّرِ اعظم : ص ۴۴   ۲؎ ایضاً : ص ۳۵

حاشا للہ! مندرجہ بالا اشعار پیش کرنے سے میرا مقصد ہرگز اُن حضرات کو نشانہ تنقید بنانا نہیں ہے اور نہ یہ میرا منصب ہے ——— لیکن یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گلستانِ نعت کی چمن آرائی و چمن بندی میں ان بزرگوں کے دامانِ شاعری بھی کانٹوں میں اُلجھ جانے کی وجہ سے دریدہ نظر آتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں، مظہرِ کامل ہیں، سراپا نور ہیں، خُدا کی عطا سے مالکِ خزائن اللہ اور قاسم نعمتِ الٰہیہ ہیں، خیر البشر اور افضل الخلائق ہیں، بعطائے الٰہی دانائے غیوب ہیں، باعثِ ایجادِ خلق ہیں، بعد از خُدا سب سے بزرگ و برتر ہیں لیکن خُدا ہرگز نہیں بلکہ خُدا کے بندے اور سب سے برگزیدہ رسول ہیں۔

نعت میں مبالغہ جائز سہی مگر اس حد تک بھی نہیں کہ فرقِ مراتب کی تمام حدود پامال ہو جائیں اور عبد و معبود میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہے ——— پھر یہاں مبالغے کی ضرورت کیا جب کہ ممدوحِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا روشن حقیقت ہیں۔ آپ کا ہر وصف مبنی بر صداقت اور آپ کی ادا جیتی جاگتی سچائی ہے۔ یہاں مبالغے کا سہارا لینا آخر کس غرض سے؟

اس کے برعکس جب آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کریں گے تو یہاں ہرگز اس قسم کی آلودگی نہ ملے گی۔ آپ کا کلام افراط و تفریط سے پاک اور مبالغہ آرائی سے مبرّا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق ایسے سلیقے سے آراستہ کیا ہے کہ شاعرانہ عظمت کی تصویر منہ سے بول رہی ہے۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جو آپ کو نعت گو اساتذہ میں منفرد مقام دلواتی ہیں۔ آپ نے گلستانِ نعت کو ایک ماہرِ فن باغباں کی حیثیت سے سجایا ہے اور اُس میں رنگا رنگ گُل بوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جن کی شگفتگی اور تازگی میں جمالِ مصطفوی کا شباب و نکھار اور عشقِ حبیب کی ابدی خوشبو اور بہار ہے۔

اشارے سے چاند چیر دیا، چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب و تواں تمہارے لیے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لیے

نعت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانیِ دل وجاں نہیں
کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ یاں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جسکا بیاں نہیں

بخدا یہی ہے خدا کا در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھُلے بندوں اس پہ یہ جُراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

نہیں جسکے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہُوا،
کہو اس کو گل کہے کیا کوئی کہ گلوں کے ڈھیر کہاں نہیں

کروں مدح اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مِری بلا
مَیں گدا ہوں اپنے کریم کا مِرا دین پارۂ ناں نہیں

از:- پروفیسر الحاج محمد زبیر

پروفیسر علامہ سید سلیمان اشرف بہاری خلیفۂ اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور مقام علمی

تعارف!

پروفیسر الحاج محمد زبیر صاحب نے مسلم یونیورسٹی کے ایک جید عالم اور استاد کے ضابطہ حیات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اس ادارہ کی لٹن لائبریری (بعدہٗ مولانا آزاد لائبریری) کے اسسٹنٹ لائبریرین اور لائبریری سائنس کے استاد رہے۔ مسلم یونیورسٹی سے ۴۲ برس منسلک رہنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں کراچی آگئے۔ یہاں بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، ان کی چھوٹی بڑی ۱۸ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آج کل "پاکستان ببلیوگرافیکل ورکنگ گروپ" (P.B.W.G) کے ادارہ "اسکول آف لائبریرین شپ" کے اعزازی ڈائریکٹر ہیں۔ انہوں نے اس ادارے میں ۱۵ برس تک اعزازی استاد کی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ (ادارہ)

دارالعلوم علی گڑھ کی یہ امتیازی خصوصیات دیکھئے کہ اس کے بانی سرسید کے زمانہ سے یہاں کے عملے میں ہندوستان اور بیرون ہند کے دینی و دنیوی علوم کے ممتاز ماہرین شامل ہوتے رہے ہیں۔ ان میں مولانا سید سلیمان اشرف جیسی انوکھی شخصیت کسی کی نہ تھی انہوں نے انفرادیت کا جو درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اس نے ان کے حساس مزاج کی راہیں سب سے الگ تھلگ کر دی تھیں۔ ان اچھوتی راہوں کے نشیب و فراز کا ہماری نئی نسل تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس سے صرف یہی کہا جا سکتا ہے۔

؎ افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اس جیّد عالم کا وطن ہندوستان کا قدیم اور عظیم شہر پاٹلی پترہ موجودہ پٹنہ ہے جو ڈیڑھ ہزار سال قبل ایک بدھ فرمانروا اشوک کے عہد میں مذہب اور علم کا بہت بڑا گہوارہ بن گیا تھا۔

اسی ایک علمی کاشانہ سے نکل کر مولانا سید سلیمان اشرفؒ ہندوستان کے ممتاز ترین ادارہ ایم اے او کالج (بعدہٗ مسلم یونیورسٹی) سے ۱۹۰۹ء میں منسلک ہوگئے۔ اور تیس برس تک علوم دینی کے درس دینے کے بعد ۲۵ر اپریل ۱۹۲۹ء کو اسی درسگاہ کے قبرستان میں سپرد خاک کردیئے گئے۔

مولانا اپنے زمانہ کے جیّد عالم تھے۔ لیکن ان کے تبحّر علمی پر جلال وجمال کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جنہیں موصوف کے مزاج کا شناسا ہی چھو سکتا تھا۔ یاد رہے کہ ان کے علم کی وسعتوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے ان کے مزاج کی گرمی سہنے اور اس کی حرارت سے دامن بچائے رکھنے کے لئے بڑے صبر وتحمل اور حوصلہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کی شخصیت میں سنجیدگی خودداری اور اصول پرستی بڑی انفرادی اور نرالی شان رکھتی تھی۔ ان اوصاف پہ ایسی انتہاپسندی غالب تھی کہ وہ اپنے دینی مسلک اور دنیوی معمولات میں اپنے پسندیدہ اصولوں سے ذرّہ برابر بھی سرکنا روا نہ رکھتے تھے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ ان کے یہاں نرم مزاجی، خوش اخلاقی اور پیار ومحبت کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ مگر وہ اپنے نظریات وخیالات کے اظہار میں شمشیر برہنہ تھے۔ ہر موقع پہ ہر بڑی اور چھوٹی شخصیت کے سامنے سچی اور صحیح بات کو بلاتکلف برملا کہدیتے تھے۔

انہوں نے ملنساری، تواضع اور انسان دوستی کے حدود مقرر کر رکھے تھے۔ یونیورسٹی کی بعض شخصیتوں سے ان کے مشفقانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ اہل علم اور علم دین حاصل کرنے والے طلباء، حاجت مندوں، درویشوں اور فقراء پہ بڑی شفقت کرتے اور مدد بھی فرماتے تھے۔ ان کے شانِ جلالی کے تانے بانے میں خدمت اور رحم ومروت کے

خوبصورت دھاگے بھی تھے۔

آپ کی یہ انفرادی خصوصیت بھی لائق ذکر ہے کہ یونیورسٹی کے حدود میں ہمہ وقت رہتے ہوئے بھی وہاں کی تقریبات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ قیام یونیورسٹی کے بعد تقسیم اسناد (کانوکیشن) کا پہلا جلسہ یونیورسٹی کی چانسلر فرماں روائے بھوپال محترمہ سلطان جہاں بیگم کی زیر صدارت دسمبر ۱۹۲۲ء میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ ہوا جس میں شریک ہونے کے لئے ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں سے سیکڑوں لوگ علیگڑھ آئے لیکن مولانا تشریف نہیں لائے۔ حالانکہ ان کی رہائش گاہ سے صرف چند گز کے فاصلہ پر اسٹریچی ہال میں یہ عظیم الشان اور بے نظیر جلسہ منعقد ہوا تھا۔ یونیورسٹی میں یگانہ روزگار علمائے کرام اور دانشور آتے رہتے تھے لیکن مولانا تشریف نہیں لاتے تھے۔ حالانکہ جلسوں کی شان وشوکت لائق دید ہوتی تھی۔ علیگڑھ میں ان کی زندگی کے محور مسجد، کلاس روم اور اپنی رہائشگاہ تھے۔ یونیورسٹی انتظامیہ (اکیڈمک کونسل وغیرہ) میں شریک ہوتے اور وہاں کے مباحثوں میں خوب حصّہ لیتے تھے۔

مولانا کی یہ شان بے نیازی دیکھ کر انہیں زاہد خشک نہ سمجھئے۔ اپنے مقربین خاص کی صحبتوں میں دلچسپ واقعات سناتے۔ طرح طرح کے لطیفے بیان کرتے۔ شاعروں کا عارفانہ اور عاشقانہ کلام سن کر بہت محظوظ ہوتے۔ فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے لئے اپنے پسندیدہ اشعار گنگناتے رہتے تھے۔ موصوف کے آستانہ پر تقریباً روزانہ شام کو چند مخصوص اہل علم جمع ہو جاتے تھے۔ ان میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جیسے متبحر عالم بھی ہوتے۔ سب مونڈھوں پر عقید تمندانہ انداز سے بیٹھتے۔ مولانا کا انداز نشست سب سے مختلف ہوتا تھا۔ وہ مونڈھے پر پاؤں اٹھا کر اکڑوں بیٹھتے تھے۔ کرسی اور صوفے وغیرہ پر بھی اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔

قد میانہ، رنگ صاف، جلد روشن، اعضا پتلے، نقشہ نرم و نازک آنکھیں چھوٹی جن میں جذبات کا اتار چڑھاؤ جھلکتا رہتا، نظر تیز و پُر اعتماد، انداز میں بانکپن، انگلیاں ایسی جن میں قلم، شمشیر و رباب سب ہی زیب دیں۔ آواز میں کڑک اور لچک، دھمک بھی، خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا ـــــــ صفیں الٹ دیں گے۔ نماز پڑھاتے تو معلوم ہوتا کہ خدا کا کلام دوسروں کو پہنچانے میں اپنی اور اپنے مالک دونوں کی عظمت کا احساس ہے۔"

یہ امر ناقابلِ فراموش ہے کہ یونیورسٹی کی اسلامی تعلیمات سے متعلق علمائے کرام میں مولانا سید سلیمان اشرف کو اس اعتبار سے فوقیت حاصل رہی کہ وہ اپنے تدریسی فرائض کے علاوہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد قرآن شریف کا درس اعزازی طور پر یونیورسٹی کی جامع مسجد میں دیا کرتے تھے۔ جو برسوں جاری رہ کر ان کی رحلت کے بعد جاری نہ رہ سکا۔ اس مقدس درس کا دائرہ طلبا تک محدود نہ تھا۔ ان کے علاوہ یونیورسٹی کے تدریسی اور غیر تدریسی عملہ کے بڑے اور چھوٹے ارکان بلا تکلف شریک ہوتے تھے۔ وہ دائرہ کی شکل میں با ادب بیٹھتے ہر ایک کے پاس قرآن مجید ہوتا۔ ان کے درمیان مولانا کی خوبصورت شخصیت علمی اور شخصی وجاہت کے ساتھ جلوہ فرما ہوتی۔ حاضرین اپنی اپنی باری سے قرآنی آیات تلاوت کرتے تلاوت کے ختم ہوتے ہی مولانا کی قادر الکلامی اور قرآنی مضامین پر ان کی دسترس کے دریا رواں ہو جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس درس کی مقبولیت اور افادیت کو مولانا کے انداز بیان نے دوبالا کر دیا تھا۔ بڑے جوش اور ولولے سے آیات کا ترجمہ وضاحت و تشریحات کے ساتھ ایسے مخصوص پُر اثر انداز سے فرماتے کہ مختلف ذہنی استعداد کے حاضرین کے دلوں

پر نقش ہو جاتے تھے۔ میں سارے دن لائبریری میں فرائض منصبی ادا کرنے کے بعد شام کو اس درس میں شریک ہو جاتا تھا۔ اسے تقریباً پچاس برس ہو گئے۔ پھر بھی اس کی برکات سے میرے ذہن پر یہ حقیقت ثبت ہو گئی ہے کہ قرآن کریم محض کتاب تلاوت نہیں ہے۔ اس سے ہدایت و رہنمائی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اس کی تلاوت سمجھ بوجھ کر غور و فکر کے ساتھ کی جائے۔

مولانا کا مقدس "عطیۂ الحج" اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ ان کا سفرنامہ حج ہے۔ جو علی گڑھ سے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا تھا۔ ۵۸ برس سے یہ میرے پاس بطور یادگار محفوظ ہے۔ اس پر جب نظر پڑتی ہے تو مولانا یاد آجاتے ہیں۔ ان یادوں کے ساتھ ان کی نیکیاں اور خوبیاں بھی تصور میں آجاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ علماء و فضلا اور اساتذہ کے حلقوں میں مصنفین اور مقررین کی صفوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی ایک کتاب "المبین" کی علامہ اقبال نے بھی بڑی تعریف کی ہے۔ ایک موقع پر مولانا سے علامہ نے فرمایا، مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن کی طرف پہلے کبھی میرا ذہن نہیں منتقل ہوا تھا۔

مولانا کی مندرجہ ذیل کتابیں ان کی اہلیہ محترمہ کے بھانجے سید اظہار الحق کے پاس لاڑکانہ (سندھ) میں محفوظ ہیں: امتناع النظیر، الحج، المبین، الانہار، النور، البلاغ، الرشاد، السبیل، الخطاب۔

آخر میں مولانا کی منفرد شخصیت کی مومنانہ شان کو کلام اقبال کے اس مصرعہ پر ختم کرتا ہوں ؎

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

نعت

رخِ دِن ہے یا مہرِ سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شبِ زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیّت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حق یہ کہ ہیں عبدِ الٰہ اور عالمِ امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

بلبل نے گل اُن کو کہا، قمری نے سروِ جاں فزا
حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روزِ جزا
دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

کوئی ہے نازاں زہد پر یا حسنِ توبہ ہے سپر
یاں ہے فقط تیری عطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

رزقِ خدا کھایا کیا، فرمانِ حق ٹالا کیا
شکرِ کرم، ترسِ سزا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ہے بلبلِ رنگیں رضاؔ یا طوطیٔ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے ترا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(اعلیٰ حضرت)

مقالہ دوم

از :- علامہ نور محمد قادری

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری

خلیفہ اعلیٰحضرت

ایک عظیم شخصیت اور ان کی تصانیف

علامہ نور محمد قادری ملک کے نامور محقق اور قلمکار ہیں۔ ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کی تحریر بڑی مدلل ہوتی ہے۔ اور وہ موضوع کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہیں۔ پیش نظر مقالہ سید سلیمان اشرف بہاری کی کتاب الحج (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء) سے ماخوذ ہے۔

(ادارہ)

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نابغۂ عصر تھے اور حضرت علامہ اقبالؒ کے اس لازوال شعر کے صحیح طور پر مصداق تھے ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

تقریر و تحریر میں "علمہ البیان" کی نعمت سے سرفراز تھے۔ آپ کی تصانیف و تالیفات سے استفادہ کرنے والوں میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ اور پروفیسر براؤنؒ جیسی علمی شخصیات شامل ہیں۔ آپ کی تربیت سے پروفیسر ایم۔ ایم احمد سابق صدر شعبۂ فلسفہ کراچی یونیورسٹی، سید امیر الدین قدوائی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، قاری محمد انوار صمدانی، علامہ شبیر احمد غوری، ڈاکٹر سید معین الحق اور مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری وغیرہم کندن بن کر نکلے۔ آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اُسے حرفِ آخر بنا کر رکھ دیا۔ "المبین" لکھی تو عربی زبان کے علم و ادب کے شائقین متوالے ہو گئے۔ "النور" کو قلم بند کیا تو مخالفین تعلیماتِ محمدی کے منہ بند ہو گئے اور خائف و خاسر ہو کر رہ گئے۔ حج کے موضوع پر قلم اٹھایا تو "الحج" نے دین کے متوالوں سے خراج عقیدت وصول کیا۔

کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ایم ایم احمد صاحب ۱۹۶۷ء میں جب حج کے لئے جانے لگے تو زادِ راہِ سعادت کے طور پر "الحج" کو بھی ساتھ لے گئے اور اس کی روشنی و راہبری میں حج کو مکمّل کیا۔ پروفیسر صاحب کے ایک ہمراہی سیّد علی اشرف صاحب سابق صدر شعبۂ انگریزی کراچی یونیورسٹی تحریر فرماتے ہیں :-

"ڈاکٹر صاحب کی دماغی و رُوحانی تہذیب میں حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب کا زیادہ ہاتھ تھا جب ہم حج پر گئے تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مولانا صاحب کی کتاب تھی۔ ہم اُسے پڑھتے اور جہاں تک ہو سکتا عمل کرتے" [۵۳]

پروفیسر عبید اللہ قدسی تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو حضرت مولانا سے جو خاص ربط تھا وُہ اس کو اِس طرح بیان کیا کرتے تھے :-

"مولانا سلیمان اشرف صاحبؒ ہندوستان کے مشہور عالم، علی گڈھ میں سب کے اُستاد تھے۔ دینیات کے ڈین تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین وغیرہ سب اُن کے شاگرد تھے اور بہت احترام کرتے تھے۔ مولانا سیرۃ النبی کے بیان میں بے مثال تھے۔ فلسفہ میں مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری کے شاگرد تھے۔ علم و عمل کے یکساں پابند اور بڑے کھرے انسان تھے" [۵۴]

مندرجہ بالا سطور میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین وغیرہم بھی اُن کے شاگرد تھے۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے جس کا دُور کرنا ضروری ہے۔ اصل میں مولانا ہر روز یونیورسٹی کی مسجد میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اور جو اِس درس میں شریک ہوتے مولانا اُنہیں اپنا شاگرد تسلیم کرتے تھے۔ اور ایسے لوگوں میں ڈاکٹر ضیاء الدین وغیرہ سب شامل تھے۔ جناب سیّد امیر الدین قدوائی مرحوم تحریر کرتے ہیں :-

"حضرت مولانا پروفیسر سیّد سلیمان اشرف صاحب قبلہ بڑے جیّد عالم اور مرتاض و درویش تھے۔ وُہ اپنی طرف سے تفسیر کا درس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی مسجد میں دیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ اس میں شرکت کرتے تھے صرف اُن ہی کو شاگرد تسلیم کرتے تھے، وُہ فیض

---

[۵۳] ماہنامہ "تاج" کراچی محمود نمبر جلد ۱۲، شمارہ ۸، ص ۳۱۵

[۵۴] ایضاً، صفحہ ۷۸

کا دریا تھے جس نے حسبِ ظرف جو کچھ اُن سے حاصل کر لیا اُس کی برکت اُسی نے نہیں بلکہ دُنیا نے بھی دیکھی اور اُس سے نفع پایا۔"[۵]

"المحج" کی اشاعت تو ۱۹۲۸ء میں ہوئی لیکن اس کا مسودہ چند سال پہلے مکمل ہو چکا تھا چنانچہ مولانا کے مکرم دوست مولوی حبیب الرحمٰن شروانی جب ۱۹۲۶ء میں حج کو جانے لگے تو مولانا کی اجازت سے "المحج" کا مسودہ بھی ساتھ لے لیا تاکہ اس کی راہنمائی اور روشنی میں مراسمِ حج اطمینان، دِل جمعی اور خوش دلی سے ادا کر سکیں اور اس عظیم تصنیف سے دورانِ حج وُہ جس طرح متاثر اور مستفیض ہوئے اس کا ذکر "المحج" کے شروع میں "گزارش" کے عنوان سے وُہ اِس طرح کرتے ہیں:-

"میرے ساتھ سفرِ حج میں ایک سے زیادہ رسالے تھے، فقہ کی کتابیں بھی تھیں، تاہم تجربہ ہوا کہ مسائل کا اُن رسالوں سے اور کتابوں سے عین وقت پر معلوم ہونا آسان نہیں۔ عموماً رسالوں میں مسائلِ حج متفرق طور پر لکھ دیئے گئے ہیں۔ عبارت کی صفائی و شگفتگی پر کم لحاظ رکھا گیا ہے۔ معہذا اُن کے بیان میں وُہ ذوق نہیں جو سفرِ حج کا رُکنِ اعظم ہے۔ پس ان رسالوں اور کتابوں کے ہوتے ہُوئے بھی ایسے رسالہ کی ضرورت تھی جو شگفتہ و پاکیزہ، ذوق آفریں، شوق افزا بیان و عبارت میں ترتیب و تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہو، اور ترتیب ایسی ہو کہ ہر موقع کا مسئلہ وقت پر بہ آسانی نکل سکے۔ میرے سفرِ حج کے وقت محبّی فی اللہ فضائل پناہ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے غایت کرم سے رسالہ ہذا کا مسودہ بطورِ زادِ راہ میرے ساتھ کر دیا۔ مَیں نے اس کو حرزِ بازو بنایا اور برابر زیرِ مطالعہ رکھا۔ مَیں صاف اِقرار کرتا ہُوں کہ یہ رسالہ ساتھ نہ ہوتا تو یا تو بہت سے مسئلے معلوم ہی نہ ہوتے یا دِقّت سے مِلتے...... بعض دُوسرے رسالوں میں دُعائیں ایسی ایسی طویل تھیں کہ اُن کا یاد کرنا اور پڑھنا دُشوار بلکہ بعض وقت شاید غیر ممکن ہوتا۔ مثلاً طواف کی دُعائیں۔ اس رسالے نے مجھ کو بہت کچھ بصیرت اور سہولت بخشی......

---

[۵] ماہنامہ "تاج" کراچی محمود نمبر جلد ۱۲، شمارہ ۸، صـ ۱۱۲

تاثرات

١ ڈاکٹر وحید اشرف
٢ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں
٣ ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان
٤ علامہ علاؤالدین صدیقی
5 ڈاکٹر سیّد عبداللہ
٦ علامہ عبدالحمید
٧ ڈاکٹر ملک زادہ منظور
8 میاں عبدالرشید
9 ڈاکٹر محی الدین الوائی
١٠ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ
١١ محمد ابراہیم فاروقی مجددی
١٢ پروفیسر عبدالشکور شاد
١٣ شاہ مانا میاں قادری
١٤ ڈاکٹر عابد احمد علی
15 ڈاکٹر محمد اقبال
١٦ ڈاکٹر ضیاءالدین
١٧ ڈاکٹر باربرا مٹکاف
18 ڈاکٹر سلام سندیلوی
19 ڈاکٹر محی الدین الوائی
٢٠ جسٹس شمیم احمد قادری
٢١ ڈاکٹر نسیم قریشی
٢٢ ڈاکٹر حامد علی خاں
٢٣ علامہ عطا محمد بندیالوی
٢٤ ڈاکٹر پیر محمد حسن
25 سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
٢٦ خان محمد علی خان آف ہوتی

(۱)

ڈاکٹر وحید اشرف

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

بڑودہ یونیورسٹی (بھارت)

"دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنھوں نے اپنے علم وعقل اور بصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض ومتحیر کیا ہے۔ ابن سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابن رشد وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔ ان میں کوئی فلسفۂ وحکمت کا امام ہے، کوئی ریاضی وہیئت کا، کوئی فلسفۂ اخلاق کا اور فلسفۂ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہندوستان میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس نے دنیا کو الوداع کہا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلو دار اور جامع علوم ہے کہ آپ کے کسی پہلو پر سیر حاصل بحث کے لیے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔"

(انوارِ رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۵۴۷)

(۲)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

(ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، پی۔ایچ۔ڈی، ڈی۔لٹ)

سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ، پاکستان)

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل وکمال، ذہانت وفطانت، طباعی ودراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء وفضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین ومستشرقین نظروں میں نہیں جچتے، مختصر یہ کہ وہ کونسا علم ہے جو انھیں نہیں آتا تھا، وہ کون سا

فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔"
(ہفت روزہ "افق" (کراچی)، شمارہ ۲۲ جنوری تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۰)

(۳)

ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، لندن)
پشاور (پاکستان)

"اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا ہر پہلو اس قدر وجیہہ و وقیع ہے، ہر جہت میں اس قدر جامعیت و مانعیت ہے کہ اہلِ فکر و نظر کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ان جہات میں سے وہ کون سی جہت ہے جو سب سے زیادہ دل کش ہے؟ .... حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا کل ہے جس کا ہر جزو اس درجہ وسیع و بسیط ہے کہ دیکھنے والے کی نظر و فکر اس ایک ہی جزو کی وسعتوں اور پہنائیوں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔"

(ڈاکٹر الٰہی بخش: عرفان رضا (قلمی) مصنفہ ۱۹۷۹ء، ص ۷)

(۴)

علامہ علاؤالدین صدیقی

وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

"جس طرح ادیان عالم میں دین اسلام ہے، اسی طرح اسلام کے جملہ فرقوں میں اہلِ سنت کو خاص حیثیت حاصل ہے ------ جب دین کی قدروں کو نیچے گرایا جا رہا تھا اُس وقت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری آگے بڑھے اور انھوں نے دین کی قدروں کو صحیح مقام پر ثبات بخشا ------
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام اہلِ سنت تھے۔ اس نے مسلمانوں کو فاضل بریلوی

کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔ ''

(عبد النبی کوکب: مقالات یوم رضا، حصہ دوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۷)

(۵)

ڈاکٹر سیّد عبد اللہ

(ایم۔اے، ڈی۔لٹ)

چیئرمین شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)

'' عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے، اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہو وہ ترجمان علم و حکمت، نقیب حق و صداقت اور محسن انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالم دین تھے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا، وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے ــــ ''

(محمد مقبول احمد قادری: پیغامات یوم رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۳۵)

(۶)

علّامہ عبد الحمید

شیخ الجامعۃ النظامیہ، حیدر آباد دکن (بھارت)

'' مولانا احمد رضا خاں صاحب، سیف الاسلام اور مجاہد اعظم گزرے ہیں، اہل السنۃ والجماعت کے مسلک و عقائد کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔ آپ کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے کہ اُن کے دلوں میں عظمت و احترام رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اُمت کے ساتھ وابستگی برقرار ہے۔ خود مخالفین پر بھی اس کا اچھا اثر پڑا اور ان کا گستاخانہ لب و لہجہ ایک حد تک درست ہوا۔ بجا طور پر آپ امام اہل السنۃ والجماعت ہیں۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات علوم کا ایک بحر زخار ہیں۔ ''

(محمد یسین اختر اعظمی: "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں"، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۷ء، ص ۱۲۵)

(۷)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور

(ایم - اے، پی - ایچ - ڈی)
لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ (بھارت)

"مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں اگر ایک طرف تبحر علمی، زہد و تقوی اور روحانی تصرفات کے معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسول اکرم سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت بھی مثالی تھی۔ انھوں نے اپنی علمی اور دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔"

(امام احمد رضا "ارباب علم و دانش کی نظر میں" ص ۱۲۷)

(۸)

میاں عبدالرشید

لاہور ——— (پاکستان)

"۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان پاس ہوئی تو حضرت بریلوی کی مساعی بارآور ہوئیں۔ آپ کے متبعین جس میں علماء و صوفیہ سب ہی شامل تھے تحریک پاکستان کی حمایت کے لیے فرد واحد کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ باشندہ پاکستان کے لیے حضرت بریلوی کی خدمات، قائد اعظم اور علامہ اقبال سے کسی طرح کم نہیں" (ترجمہ انگریزی)

(میاں عبدالرشید: "برصغیر پاک و ہند میں اسلام (انگریزی) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۷۰)

(۹)

ڈاکٹر محی الدین الوائی

جامعہ ازہر، قاہرہ (مصر)

"شیخ احمد رضا دو مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی کے لیے حاضر ہوئے۔

آپ نے دونوں سفروں میں عرب کے اسلامی وعلمی مرکزوں کو بھی دیکھا اور وہاں کے علماء سے ملاقات کی، علوم اور مسائل دینیہ میں مشورے بھی کیے۔ حجاز کے مشہور علمائے حدیث کی مخصوص اسانید سے حدیث روایت کرنے کی اجازتیں حاصل کیں اور خود بھی اپنی مخصوص اسناد سے وہاں کے علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔" (ترجمہ عربی)

(صوت الشرق (قاہرہ)، شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶ و ۱۷)

(۱۰)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

پروفیسر کلیۃ الشریعۃ

(محمد بن سعود یونیورسٹی (ریاض) سعودی عرب)

"میرے ایک دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے، ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی، میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتوے کا مطالعہ کیا، عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتوے کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔" (ترجمہ عربی)

(امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص ۱۹۴)

(۱۱)

ضیاء المشائخ حضرت محمد ابراہیم فاروقی مجددی

(قلعہ جواد، کابل، افغانستان)

"بے شک مفتی احمد رضا خاں قادری ایک جید عالم اور واقف اسرار طریقت تھے، اسلامی علوم کی تشریح میں ان کا عظیم الشان ملکہ اور باطنی حقائق کی توضیح میں ان کے معارف بہت زیادہ ستائش کے لائق ہیں اور فقہی علوم میں ان کی تحقیقات

اہل سنت وجماعت کے بنیادی نظریات میں قابل قدر یادگار کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی تحقیقات کو اگر تشنگان علوم دینیہ کے لیے سرچشمۂ فیض وہدایت قرار دیا جائے۔ تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔"
(ترجمہ فارسی)

(پیغامات یوم رضا، ص ۱۰۱)

(۱۲)

پروفیسر عبدالشکور شاد

کابل یونیورسٹی، کابل (افغانستان)

"علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی ہندوستان و پاکستان میں بالتفصیل ثبت ہوں اور تاریخ علم وفرہنگ افاغنہ اور آریانا دائرۃ المعارف کو لازم ہے کہ اسمائے گرامی کو ساری مؤلفات کے ساتھ اپنے اداروں میں محفوظ کرے۔"

(پیغامات یوم رضا۔ ص ۳۳)

(۱۳)

شاہ مانا میاں قادری

پیلی بھیت، (بھارت)

"انجمن نعمانیہ ہند (لاہور) پورے پاک وہند میں وہ پہلی مذہبی انجمن تھی جس کے علمی اور تبلیغی کارنامے تاریخی حیثیت رکھتے تھے۔ انجمن کے ہی ایک اجتماع میں اعلیٰ حضرت سے علامہ اقبال نے نیاز حاصل کیا تھا اور اپنی ایک نعت اعلیٰ حضرت کو سنائی تھی جسے آپ نے پسند فرمایا تھا۔"

(مانا میاں: سوانح اعلیٰ حضرت بریلوی (۱۹۷۰ء)،
مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۷)

(۱۴)

ڈاکٹر عابد احمد علی

ایم اے، ڈی۔ فل (آکسفورڈ)

مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور (پاکستان)

"۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کا زمانہ وہ ہے جس میں اقبال تقریباً ہر سال علی گڑھ گئے ہوں گے۔ اس عرصے میں ایک بار استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف (صدر شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی) نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا، اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی:-

(۱۵)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

"وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔"

(عبد النبی کوکب: مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۱۰)

(۱۶)

ڈاکٹر سر ضیاء الدین

پی۔ ایچ۔ ڈی (جرمنی)

وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)

"بہت خلیق، بہت منکسر المزاج اور ریاضی بہت اچھی جانتے تھے باوجودیکہ کسی سے

پڑھا نہیں، ان کو علم لدنی تھا، میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔"

(ظفر الدین بہاری: حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ١٥٥)

(١٧)

ڈاکٹر باربرا مٹکاف

برکلے یونیورسٹی، برکلے (امریکہ)

"وہ ابتدا ہی سے اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے ممتاز تھے۔ ان کو ریاضی میں علم لدنی حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر ضیاء الدین کے لیے ریاضی کا ایک ایسا لاینحل مسئلہ حل کر کے رکھ دیا جس کے لیے ڈاکٹر موصوف جرمنی جانے والے تھے۔"
(ترجمہ انگریزی)

(باربرا مٹکاف: ہندوستان میں مسلم مذہبی قیادت اور مصلح علماء ١٨٦٠ء سے ١٩٠٠ء مطبوعہ برکلے ١٩٧٤ء۔ ص ٣٥، ٣٦)

(١٨)

ڈاکٹر سلام سندیلوی

(ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، پی ایچ۔ ڈی، ڈی لٹ)
گورکھپور یونیورسٹی گورکھپور (بھارت)

"آپ کی شخصیت و شاعری میں فاصلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی شخصیت، آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری، آپ کی شخصیت ہے۔ شخصیت و شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعراء کے یہاں ملے گی۔"

(انوار رضا، ص ٥٦٥)

(۱۹)

ڈاکٹر محی الدین الوائی

جامعہ ازہر، قاہرہ، (مصر)

"پرانا مقولہ ہے کہ فرد واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ تحقیقات علمیہ اور نازک خیالی — لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اس تقلیدی نظریہ کے برعکس ثابت کرکے دکھا دیا۔ آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے۔"

(ترجمہ عربی)

(صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶، ۱۷)

(۲۰)

جسٹس شمیم حسین قادری

(خطبۂ صدارت اجلاس یوم رضا، منعقدہ لاہور ۲ جون ۱۹۶۸ء)

"وہ عاشق رسول تھے اور یہی عشق رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے۔ —— سرور کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔"

(مقالات یوم رضا، حصہ دوم، ص ۱۸)

(۲۱)

ڈاکٹر نسیم قریشی

(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)

ریڈر شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)

"کتنی عظیم سعادت آئی ہے حضرت رضا کے حصے میں کہ وہ مقبولین بارگاہ الٰہی

اور نظر کردگان رسالت پناہی کے اس محبوب زمرے میں ایک مقام خاص رکھتے ہیں ـــــ ایسا بلند مقام کہ انھیں "حسان الھند" کے مبارک لقب سے یاد کیے بغیر ان کے بے پناہ جذبۂ عشق رسول اور ان کی وجد آفریں نعت گوئی کے ساتھ انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔"

(امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص ۱۲۷)

(۲۲)

ڈاکٹر حامد علی خاں

(ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی)

ریڈر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)

"امام احمد رضا نہایت بلند مرتبہ صاحب قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحب تصنیف و تالیف تھے ـــــ آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ اسلوب حسن انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔"

(امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص ۱۱۸)

(۲۳)

استاذ الاساتذہ علّامہ عطا محمّد بندیالوی

بندیال، ضلع سرگودھا (پاکستان)

"حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور جس مسئلے پر قلم اٹھایا، الم نشرح کر کے چھوڑا۔ ان تمام تصانیف کا سرتاج اردو ترجمۂ قرآن پاک ہے جس کی نظیر نہیں ہے اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر نظر ہے۔ اس ترجمۂ مبارک میں مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے اور جن مشکلات اور ان کے حل مفسرین نے صفحات میں جا کر مشکل بیان فرمائے ہیں

اس محسن اہلِ سنت نے اس ترجمہ کے چند الفاظ میں کھول کر رکھ دیا ہے۔"

(پیغامات یوم رضا، ص ۷۴)

(۲۴)

ڈاکٹر پیر محمد حسن

ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد (پاکستان)

"مولانا جس قدر زود نویس تھے اس کا پتہ ان کی لاتعداد تصانیف سے چلتا ہے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ علم کا سمندر ان کے سینہ اور دماغ میں موجزن تھا اور اس کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ رد کرنے اور رکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) فرماتے ہیں کہ "جو تصانیف میں نے کی ہیں ان سے میرا مقصد مصنف بننا نہیں ہے بلکہ اگر میں یہ تصانیف نہ کرتا تو مجھے جل جانے کا خطرہ تھا۔" ——— یہی بات مولانا پر صادق آتی ہے۔"

(مقالات یوم رضا، حصہ دوم، ص ۶۶)

(۲۵)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی

(لاہور ——— پاکستان)

"مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

(مقالات یوم رضا، حصہ دوم، ص ۶۰)

(۲۶)

خان محمد علی خاں آف ہوتی

(مرکزی وزیر تعلیم، حکومت پاکستان، اسلام آباد)

"اعلیٰ حضرت شمع اسلام میں محبت کا تیل ڈالنے میں ساری زندگی مصروف رہے ــــ عرب و عجم میں کئی تحریکیں اٹھیں جن کے فکری ڈانڈے، کہیں دور ــ اسلام سے جدا ایک پگڈنڈیوں سے ملتے تھے مگر دلنواز و نظر فریب نعروں سے ان افکار کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا ــ حضرت بریلوی ایسی کسی تحریک سے متاثر نہیں ہوئے ــ انھوں نے حقیقی اسلام کے درخشاں چہرے سے، سب غلط افکار کے پردے نوچ پھینکے ــ اسلام اسی آب و تاب سے سامنے آیا۔ جس چمک دمک سے وہ، دورِ نبوت، عہد خلافت اور دور مجتہدین سے ضیا پاشیاں کرتا آ رہا تھا۔"

(ہفت روزہ افق (کراچی)، شمارہ ۶ فروری ۱۹۸۰ء، ص ۳۰)

محبت میں انھیں استغراق کلی حاصل تھا اور در مصطفیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر کسی دنیا والے کے دروازے پر کبھی انھوں نے نگاہ غلط انداز نہیں ڈالی۔ انھیں بھروسہ تھا تو اپنے آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستریوں پر۔ انھیں اعتماد تھا تو اپنے ہادی و شاہد علیہ السلام کی بندہ پروریوں پر ــ ان کی نگاہیں اٹھتی تھیں تو تجلیات مصطفیٰ کی ضو ریزیوں کے سمیٹنے پر ــ ان کا دل دھڑکتا تھا تو صرف رحمۃ للعالمین کی رحمت نوازیوں پر ــ وہ علوم مصطفیٰ کے گلشن کے بلبل تھے لہٰذا انھیں ہر طرف علم مصطفیٰ کے جلوے نظر آتے تھے اور نورِ مصطفیٰ کی نور بیزیاں نظر آتی تھیں ــ عشق مصطفیٰ کا جو معیار وہ قائم فرما گئے، وہ متاخرین کے لیے منارۂ نور ہے اور وہ سوز جو اپنے کلام میں بھر گئے، خدا جانے کب تک دلوں کو گرماتا اور وجدان کو تڑپاتا رہے گا۔"

(ہفت روزہ افق (کراچی)، شمارہ ۶ فروری ۱۹۸۰ء، ص ۳۰)

قصیدۂ معراجیہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس اللہ سرہٗ

در تہنیت شادی اسرا

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

بہار کو شادیاں مبارک، چمن کو آبادیاں مبارک
مَلک فلک اپنی اپنی لَے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آئے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

یہ جوت پڑتی تھی اُن کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تِل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پہ آنچل تجلّیِ ذاتِ بحت سے تھے

خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا، حرم کو خود وجد آ رہے تھے

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

دُلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اُڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

پہاڑیوں کا وہ حسنِ تزئیں، وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے

نہا کے نہروں نے وہ دمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

پُرانا پُرداغ ملگجا تھا اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل، حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پَر جہاں بچھے تھے

خدا ہی دے صبر جانِ پُر غم، دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے

اُتار کر اُن کے رُخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے

بچا جو تلووں کا اُن کے دھووَن بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اُترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

خبر یہ تحویلِ مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی،
وہاں کی پوشاک زیبِ تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

تجلّیِ حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جمائے کھڑے سلامی کے واسطے تھے

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

ابھی نہ آئے تھے پشت زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا، غزالِ دم خوردہ کا بھڑکنا
شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

ہجوم اُمید ہے گھٹاؤ، مرادیں دے کر انھیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لیے بڑھاؤ، ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

اُٹھی جو گردِ رہِ منوّر! وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل اُمنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے

ستم کیا کیسی مَت کٹی تھی، قمر وہ خاک اُنکے رہ گزر کی
اُٹھا نہ لایا کہ مَلتے مَلتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے

بُراق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، مہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرّ عیاں ہوں معنئ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شئے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک، جام و مینا اُجالتے تھے کھنگالتے تھے

نقاب الٹے وہ مہرِ انور، جلالِ رُخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آب گوہر کمر کمر تھا،
صفائے رَہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دُھل گیا نام ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

وہ ظلِ رحمت، وہ رُخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رُک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دُور پہنچی، برات میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

رَوِش کی گرمی کو جس نے سوچا، دماغ سے اک بھبھوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

جلو میں جو مرغِ عقل اُڑے تھے عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

قوی تھے مرغانِ وہم کے پر اُڑے تو اُڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے

سُنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

یہ سن کے بیخود پکار اٹھا، نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر اُن کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا، وہ گرد قربان ہو رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے، چراغ مُنہ اپنا دیکھتے تھے

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

بڑھ اے محمد! قریں ہو احمد! قریب آ سرورِ ممجّد،
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَن تَرَانِی کہیں تقاضے وصال کے تھے

خرد سے کہدو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سُراغِ اَینَ و مَتیٰ کہاں تھا نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ کوئی منزل نہ مرحلے تھے

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جُھکتے ادب سے رُکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

پران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلّیٰ کے سلسلے تھے

ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا تموّجِ بحرِ ہو میں اُبھرا
دنیٰ کی گودی میں اُن کو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیے تھے

کسے ملے گھاٹ کا کنارا کدھر سے گزرا کہاں اُتارا
بھرا جو مثلِ نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اُٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اس کی طرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

اُدھر سے تھیں نذر شہ نمازیں اِدھر سے انعامِ خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پر نور میں پڑے تھے

زبان کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن ،
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سُننی تھی سن چکے تھے

وہ برجِ بطحا کا ماہ پارا بہشت کی سیر کو سدھارا ،
چمک پہ تھا خلد کا ستارا کہ اُس قمر کے قدم گئے تھے

سُرُورِ مَقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کی
جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنول بنے تھے

طرب کی نازش کہ ہاں لچکیے اَدب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضدّین تھا کہ پودے کشاکشِ ارہ کے تلے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کرکے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

نبیِ رحمت شفیعِ اُمّت رضاؔ پہ للّٰہ ہو عنایت
اسے بھی ان خِلعتوں سے حِصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ ، قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا رَدِی تھی کیا کیسے قافیے تھے

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس اللہ سرہٗ

اِس سلام میں سراپائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحیۃ و درود کے ساتھ ایک منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن دُرود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ اِرم، تاجدارِ حرم،
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دُولھا پہ دائم دُرود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی دُرود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

نورِ عینِ لطافت پہ اَلطف دُرود
زیب و زینِ نظافت پہ لاکھوں سلام

سروِ نازِ قِدم، مغزِ رازِ حِکم،
یکّہ تازِ فضیلت پہ لاکھوں سلام

نقطۂ سِرِّ وحدت پہ یکتا دُرود
مرکزِ دَورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

جس کے زیرِ لوا آدم و مَن سِوا
اُس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

اصلِ ہر بود و بہبود، تخمِ وجود،
قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد دُرود
ختمِ دَورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شرقِ انوارِ قدرت پہ نوری دُرود
فتقِ اَزہارِ قربت پہ لاکھوں سلام

بے سہیم و قسیم و عدیل و مثیل
جوہرِ فردِ عزت پہ لاکھوں سلام

سرِّ غیبِ ہدایت پہ لاکھوں درود
عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام

ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود
شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام

کنزِ ہر بے کس و بے نوا پر درود،
حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام

پرتوِ اسمِ ذاتِ اَحد پر درود
مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام

خلق کے دادرس، سب کے فریادرس
کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے بے کس کی دولت پہ لاکھوں درود
مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ دنیٰ، ہُو میں گُم کُن انا
شرحِ متنِ ہویت پہ لاکھوں سلام

انتہائے دوئی، ابتدائے یکی
جمعِ تفریق و کثرت پہ لاکھوں سلام

کثرتِ بعدِ قلت پہ اکثر درود
عزتِ بعدِ ذلت پہ لاکھوں سلام

ربِّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود
حق تعالےٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

فرحتِ جانِ مومن پہ بے حد درود،
غیظِ قلبِ ضلالت پہ لاکھوں سلام

سببِ ہر سبب منتہائے طلب
علتِ جملہ علت پہ لاکھوں سلام

مصدرِ مظہریت پہ اظہر درود
مظہرِ مصدریت پہ لاکھوں سلام

جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں
اس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

قدِّ بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظلِّ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں
اُس سہی سروِ قامت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں
اس سرِ تاجِ عزت پہ لاکھوں سلام

وہ کرم کی گھٹا، گیسوئے مشک سا
لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام

لَیۡلَۃُ الْقَدْر میں مطلعِ الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

لختِ لختِ دلِ ہر جگر چاک سے
شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام

دور و نزدیک کی سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جلال
اس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ
ظلّۂ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اشکباریٔ مژگاں پہ برسے درود
سلکِ درِّ شفاعت پہ لاکھوں سلام

معنیٔ قد رأی مقصدِ ما طغیٰ
نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت، پہ لاکھوں سلام

جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

ان کے خد کی سہولت پہ بے حد درود
ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

شبنمِ باغِ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

خط کی گردِ دہن وہ دلِ آرا پھبن
سبزۂ نہرِ رحمت، پہ لاکھوں سلام

ریش خوش معتدل مرہمِ ریشِ دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جس کے پانی سے شاداب جان وجناں
اُس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے
اُس زُلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اُس کی پیاری فصاحت پہ بے حد دُرود
اُس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام
وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول،
اُس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
اُن ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام
دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام
حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل
یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

روئے آئینۂ پشتِ علمِ حضور
پشتیِ قصرِ ملت، پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا،
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستوں
ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں موجِ کرم نور کی
اُس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں، دریا بہیں
اُنگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام
رفعِ ذکرِ جلالت پہ اَرفع دُرود
شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام
دل سمجھ سے وَرا ہے مگر یوں کہوں
غنچۂ رازِ وحدت، پہ لاکھوں سلام
کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا،
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھنچ کر بندھی
اس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

انبیا تہ کریں زانوان کے حضور
زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

ساق اصلِ قدم شاخِ نخلِ کرم
شمعِ راہ اصابت پہ لاکھوں سلام

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم،
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

پہلے سجدہ پہ روزِ ازل سے درُود
یادگاریٔ اُمت پہ لاکھوں سلام

زرع شاداب ہر ضرع پُر شیر سے
برکاتِ رضاعت پہ لاکھوں سلام

بھائیوں کے لئے ترکِ پستاں کریں
دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

مہد والا کی قسمت پہ صدہا درُود
برجِ ماہِ رسالت پہ لاکھوں سلام

اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن
اُس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام

اٹھتے بوٹوں کے نشو و نما پر درُود
کھلتے غنچوں کی نکہت پہ لاکھوں سلام

فضلِ پیدائشی پر ہمیشہ درُود
کھیلنے سے کراہت پہ لاکھوں سلام

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درُود
بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

بھینی بھینی مہک پر مہکتی درُود
پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام

میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درُود
اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

سیدھی سیدھی روش پہ کروروں درُود
سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام

روزِ گرم و شبِ تیرہ و تار میں
کوہ و صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام

جس کے گھیرے میں ہیں انبیا و مَلک
اُس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام

اندھے شیشے جھلا جھل دمکنے لگے
جلوہ ریزیٔ دعوت پہ لاکھوں سلام

لُطفِ بیداریٔ شب پہ بے حد درُود
عالمِ خوابِ راحت پہ لاکھوں سلام

خندۂ صبحِ عشرت پہ نوری درود
گریۂ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

نرمیٔ خوئے لینت پہ دائم درود
گرمیٔ شانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے کھنچی گردنیں جھک گئیں
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

گرد مہ ودستِ انجم میں رخشاں ہلال
بدر کی دفعِ ظلمت پہ لاکھوں سلام

شورِ تکبیر سے تھرتھراتی زمیں
جنبشِ جیشِ نصرت پہ لاکھوں سلام

نعرہ ہائے دلیراں سے بن گونجتے
غُرّشِ کوسِ جرأت پہ لاکھوں سلام

وہ چقاچاق خنجر سے آتی صدا،
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

اُن کے آگے وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی جانبازیاں
شیرِ غرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

الغرض ان کے ہر مُو پہ لاکھوں درود،
ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ان کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود،
اُنکے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

اُن کے مولیٰ کے اُن پر کروروں درود
اُن کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

پارہائے صحف غنچہائے قدس
اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے،
اُس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

اس بتولِ جگر پارۂ مصطفیٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاہرہ، طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیاء
راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اوجِ مہرِ ہدیٰ، موجِ بحرِ ندیٰ
رُوحِ رُوحِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی
چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام

اس شہیدِ بلا شاہِ گلگوں قبا،
بیکس دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام

دُرِّ درجِ نجف، مہرِ برجِ شرف
رنگِ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق
بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

جلوگیانِ بیت الشرف پر دُرود،
پردگیانِ عفت پہ لاکھوں سلام

سیّما پہلی ماں کہفِ امن واماں
حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی
اس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

مَنْزِلٌ مِنْ قَصَبْ لَا نَصَبْ لَا صَخَبْ
ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی،
اُس حریمِ براءت پہ لاکھوں سلام

یعنی ہے سورۂ نور جن کے گواہ،
اُن کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام

جنمیں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

شمع تابانِ کاشانۂ اجتہاد
مفتیٔ چار ملت پہ لاکھوں سلام

جاں نثارانِ بدر و اُحد پر دُرود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا،
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خدا
اوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفا
عزّ و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اَصدق الصادقیں سید المتقیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

وہ عمر رضی اللہ عنہ جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ
تیغِ مسلولِ شدت پہ لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی، میزبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود
دولتِ جیشِ عسرت پہ لاکھوں سلام

درِّ منثور قرآں کی سلک بہی
زوجِ دو نور عفت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمانؓ صاحبِ قمیصِ ہدیٰ
حلّہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین
ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصلِ نسلِ صفا وجہِ وصلِ خدا
بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج
چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامیِ دین و سنّت پہ لاکھوں سلام

مومنیں پیشِ فتح و پسِ فتح سب
اہلِ خیر و عدالت پہ لاکھوں سلام

جس مسلماں نے دیکھا اُنھیں اک نظر
اُس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

جن کے دشمن پہ لعنت ہے اللہ کی
اُن سب اہلِ محبت پہ لاکھوں سلام

باقیِ ساقیانِ شرابِ طہور
زینِ اہلِ عبادت پہ لاکھوں سلام

اور جتنے ہیں شہزادے اس شاہ کے
اُن سب اہلِ مکانت پہ لاکھوں سلام

اُن کی بالا شرافت پہ اعلیٰ درود
اُن کی والا سیادت پہ لاکھوں سلام

شافعی، مالک، احمد، امامِ حنیف
چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

کاملانِ طریقت پہ کامل درود
حاملانِ شریعت پہ لاکھوں سلام

غوثِ اعظم امام التقیٰ والنقیٰ،
جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام

قطب و ابدال و ارشاد و رشد الرشاد
محیِ دین و ملّت پہ لاکھوں سلام

مردِ خیلِ طریقت پہ بے حد درود
فردِ اہلِ حقیقت پہ لاکھوں سلام

جس کی منبر ہوئی گردنِ اولیا
اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

شاہِ برکات و برکات پیشینیاں
نو بہارِ طریقت پہ لاکھوں سلام

سیّد آلِ محمد امام الرشد
گل رَوضِ ریاضت پہ لاکھوں سلام

حضرت حمزہ شیرِ خدا و رسول
زینتِ قادریّت پہ لاکھوں سلام

نام و کام و تن و جان و حال و مقال
سب میں اچھے کی صورت پہ لاکھوں سلام

نورِ جاں عطرِ مجموعہ آلِ رسول
میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

زیبِ سجادہ سجاد نوری نہاد
احمدِ نور طینت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہلِ سنت پہ لاکھوں سلام

تیرے ان دوستوں کے طفیل اے خدا
بندۂ ننگ خلقت پہ لاکھوں سلام

میرے اُستاد ماں باپ بھائی بہن
اہلِ ولد و عشیرت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب اُن کی آمد ہو اور
بھیجیں سب اُن کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

مُناجات

بدرگاہ قاضی الحاجات

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس اللہ سرہٗ

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدارِ حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
اُنکے پیارے مُنہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو
یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیدِ بے سایہ کے ظلِ لوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی دامنِ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستّارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جُرم میں
اُن تبسم ریز، ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندۂ بیجا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجےٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پُلِ صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پہ چلنا پڑے
رَبِّ سلِّم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمین ربّنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو
صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیحضرت امام اہلسنت

مولانا شاہ حافظ احمد رضا خاں رضا قدس سرہٗ

کے نعتیہ کلام کا

تحقیقی اور ادبی جائزہ

جسمیں حضرت رضا کی نعتیہ شاعری کے ہر پہلو کو نمایاں اور اسکے ادبی مقام کو پیش کیا گیا ہے

از قلم مدحت نگار حضرت شمس بریلوی

مع

حدائقِ بخشش (کامل)

(منتخبات حصہ سوم)

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی

HOLY
QURA'N
URDU TRANSLATION
BY
Imam Ahmad Raza Khan Brailavi
Renderd into Modern English
By
Dr. Hanif Akhtar Fatmi Qadri Naushahi
Barrister-at-Law, Professor, London University
Formerly Professor Karachi University, Riyyad University and
Kuwait University.
PUBLISHERS
ISLAMIC WORLD
MISSION
BRAD FORD U.K.
OBTAINABLE FROM
RAZA ACADEMY
16 CARMICHAEL STREET EDGELEY
STOCKPORT MANCHESTER
U.K.

"It is beneficance on the Muslims that he inclucated in their hearts the sentiments of greatness and extreme respect for their Master Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). His efforts also served as a monitoring and controlling lever on the temperament of the opponents resulting in the improvement in their atitutde towards ALLAH and the Prophet of ALLAH (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and decline in the use of irresponsible languages and filthy metaphors used in their religious speeches and writings".

This is a historical truth that positive results were produced of the sincere efforts of Imam Ahmad Raza. This was witnessed by the return of many Muslims to the Path of The Favoured which included personalities like, Maulana Abdul Bari Farangi Mahali, Maulana Muhammad Ali Johar, Maulana Shaukat Ali, Maulana Suleman Shah Phulwari, Maulana Syed Shah Abu Suleman, Mohammad Abdul Mannan Qadri Azimabadi, Sirajul Fuqaha, Maulana Siraj Ahmad Sahab Khanpuri, Maulana Jafer Shah Phulwari and many others.

It is necessary that the universal appeal of Imam Ahmad Raza's message of "Love and Slavery of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam)" is emphasised and perveyors of sectarianism, which is the result International Zionist-cum-Christian conspiracy, are held in check so that essential unity of Muslim Ummah is preserved and strengthened for the greater good of Muslim world and for the benefit of the mankind as a whole.

Imam Ahmad Raza once said; "The love for ALLAH the Merciful and His Prophet the Mercy for universe is so deep in my heart that if I cut my heart in two pieces you will, Insha'allah find engraved the name "ALLAH" on one piece and that of "MUHAMMAD" (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) on the other".

The following verses of the Holy Quran testify his claim and narrate in short his biography.

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ
هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ

"And those who believe in ALLAH and the Last day of Judgement shall not be found friendly with those who are enemies of ALLAH and His Prophet even if they happen to be their fathers, sons, brothers and kith and kin. "With those He will engrave faith on their hearts, assist them with a spirit from Himself". They are people in whose heart ALLAH has engraved faith and extended His support through sacred spirit".

(From the underlined portion of these verses he computed his year of birth: 1272 A.H.)

This day demands deep reflection and asks for renewed dedication to the ideals that Ala Hazrat Imam Ahmad Raza (may peace be upon him) Rehmatullah Alaih lived and died for.

Unless the "Millat" responds to the call that Imam Ahmad Raza held supreme and dearer than his life any homage to him, however passionately expressed, will only create a stir on the surface without touching the soul.

In fact, he lived for a mission and died for a cause. He breathed his last while whispering Kalma-e-Tayyaba on Friday the 25th of Safar 1340 A.H. (October 28, 1921 A.D) at the time of Jumah Prayer when PROCLAIMER OF PRAYER (MOAZZIN) was calling "Come to Prayer", "Come to Welfare". May ALLAH bestow upon his grave blessings of His own and of His beloved Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) (Ameen)!

Imam Ahmad Raza denounced in the strongest terms the reprehensible attitude of such elements. If this is a crime, he committed it.

Imam Ahmad Raza, infact, served as a strong fort for the defence of Islamic Shariah and the sanctity of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

While giving caution to the Muslim brethren not to mixup with the enemies of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) he admonishes in one of the letters in the following ways:-

"Muhammad Mustafa (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) is checking you. He is more well wisher of your soul than your own-self. (حریص علیکم)

His heart feels pain on you trouble. (عزیز علیہ ما عنتم)

By God He is more affectionate to you than a beloved mother to her only son.

Lo!

Listen Him. Hold his hands. Clinch to his feet. He orders you to be aloof from them and keep them aloof from yourself.

Lest they may not prevail upon you to make you astray and to put you into trouble."
(ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم)

In another place he shakes the heedless Muslim Ummah in the following words.

"What a p ity? If some-one calls bad names to your father you are after his blood. You hate him like any thing. You are bent upon to kill him if you could catch hold of him. You are not prepared to listen any other argument or further explanation of what is said. But alas! You do listen all such and similar abuses and obscenity in case of your Master, the beloved Prophet of ALLAH Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and remain unmoved! And still you treat the reprehender a responsible man and call him your Imam, leader and well wisher! Not only that but you become hostile to those who are critical of such lunatic persons. To support them you tryout lame excuses, false interpretations and uncalled for explanations of their filthy remakrs, knowingly that all this is being done at the cost of the honour and prestige of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

What Islam is it?

Is it Islam?"

Imam Ahmad Raza has devoted his life to inculcate that the believers should bow in reverence to the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in terms of the teaching of Quran and place him above everything in point of reverence and devotion. They should, in fact, send salutation to him. To Fazil Bareilvi, the least appearance of lack of difference to the Prophet has been intolerable. Aspersion of the sacred personality of the beloved Prophet of ALLAH is more serious than injury to his own person. Explaining why he could not be stopped from condemning the disparagers, he said that he got satisfaction from the fact that he had at-least succeeded in diverting them from profanation of the sanctity of the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) at the cost of his own humiliation and defamation at the hands of such elements.

Imam Ahmad Raza has recalled the teaching of Quran to respect Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and cautions the Muslims that this is not respecting or revering a mere human being but as the greatest and noblest person ever sent by ALLAH to the mankind to serve as a model and perfect man. Fazil Bareilvi has delivered the message of Quran that our Master Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) is the greatest blessing of ALLAH on the earth. There could be no greater SIN than saying or doing any-thing which has the slightest sign of lack of respect to him. Therefore, accordingly, anything which reflects on him in any way is a heinous sin which invites the greatest wrath of the Almighty ALLAH and leads to depreciators eternal condemenation.

As a matter of fact, Fazil Bareilvi symbolises defiance in the face of the Zionist-cum-Christian anti-Islamic formidable forces and standing upto the shrewd and powerful apponents of "THE PATH OF MUSTAFA" ("NIZAM-E-MUSTAFA") and "THE POSITION OF MUSTAFA" ("MAQAM-E-MUSTAFA") regardless of the cost. To quote Allama Abdul Hameed, Vice Chancellor of Nizamia University, Hyderabad Daccan (India).

The propogation of Wahabi thoughts and the circulation of their literature have irritated the Muslims all over the world and invited tremendous uproar in the general Muslim masses and immense resistence and opposition from the venues of Ulemas, Mashaikhs and renowned Muslim Scholars.

The entire intellectual and literary strength of the Muslim world which could better be utilised for Socio-political improvement, Economic development and Educational betterment of Muslim Societies was thus deliberately diverted by the anti-Islamic-Ziono-Christian forces to fight against each other on the internal front.

During the last two centuries Imam Ahmad Raza appears to be the only personality who realised the spectrum of anti-Islamic and anti-Prophet forces and stood firm in their ways to meet their challenge.

He resisted all those movements which were in any way against Islam and the dignity of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). He always upheld the Flag of the honour and reverence of the Holy Prophet as ever hoisting on the highest altitude.

The pivot of his own personality, the centre of all his knowledge and the achievement of his life was the excellent conduct of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and a devoted profound love for him.

He understood and made others understood the real perspective of this Quranic verse.

"That the Prophet has been created on excellent conduct". To put in his own words:

"My interest in life is the performance of three jobs:

1. To avail of my full strength in the support of my Lord the leader of Prophets (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in the face of all anti-Prophet-Zino-Christian forces.

2. To wipe out all anti-Islamic practices from among the Muslims.

3. To issue judicious pronouncement (FATWAS) according to my capability on the lines of "HANAFI SCHOOL OF THOUGHT".

This he proved throughout his life. He fought on all counts of life with the enemies of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) the enemies outside the Muslims and the enemies within the ranks of Muslims.

Bestowed with fervency of love for Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) he became a symbol of an International Movement for preservation of love and upholding the sanctity of the Last Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

Muslims all over the world who love ALLAH and His beloved Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and follow the path of Quran and Sunnah are Proud to call themselves "BAREILVI" after his name, irrespective of the age and place. It is not without striking significance that Muslims of today derive inspiration and substenance from the shinning example of his self sacrifices in the path of Shariah and upholding the values of the traditions of Hallowed Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). For decades Imam Ahmad Raza had been watching two trends in Muslim Society:

1. Belief in teachings of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) being eroded and

2. Compliance with the injuction of the Shariah slackening only because of the loss of love and attachment with the beloved Prophet of ALLAH (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

For half a century Imam himself had also been seeing covert and overt developments culminating in the uprising of such Zionist-Character elements, within and out side the Muslims, who had started undermining the importance of Prophet's personality as the unifying force of Muslim Ummah and tried to sacrilege the honour of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

He stood like rock in the way of those who lost the sense of reverence and spoke in disparaging terms about ALLAH and His Hallowed Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). He refuted their ideas with undeniable arguments in the light of Quran and Sunnah.

1. "To think of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) while offering prapyer is worst than thinking of once own cattle".
(Sirat-e-Mustaqeem, Page 95 – by Ismail Dehlvi).

2. "In, the opinion of general public the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) was the last of all Prophets because he was born in the last of all previous Prophets of ALLAH. However, intellectuals know that the quality of being last or first (time wise) is not a matter of prestige by itself. . . . . Even if, we suppose, the emergence of a Prophet after the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) it will not make any difference to his speciality of being last".

(Takhzeerunnas Page 3 and 28 by Molvi Qasim Nanutwi of Deoband).

3. "To sum up, the point for consideration is that in order to prove that the Prophet had the knowledge of the circumference of Earth like Satan and Angel of Death without giving any clearly stated grounds but only on the basis of whimsical analogy is an act of Polythesim and not Faith. The extensive knowledge of Satan and Angel of death has been amply proved by clearly stated grounds whereas, in case of the Prophet, it is not so. Therefore refutation of clearly stated grounds is nothing but Polythesim".

(Brahee-n-e-Qatea, Page 51 – Molvi Khalil Ahmad Anbethvi).

4. "I am Ahmad which is the meaning of Quranic Verses:
I am the anouncer of goods news of the Prophet who will follow me and whose name is Ahmad".

(Ek Ghalati Ka Izala Page 673 – by Mirza Ghulam Ahmad Qadyani).

5. "ALLAH can lie but He does not"

(Fatawa-e-Rasheediah, Page 10 – by Molvi Rashid Ahmad Gangohi).

6. "ALLAH had the discretionary power to know the unknown whenever He likes".

(Taqwiat-ul-Iman Page 23 – by Ismail Dehelvi).

7. "Thus, if the knowledge of the 'unseen', according to* Zaid, is applicable to his sacred personality* the question arises as to what is meant by this 'unseen'. If he means 'some unseen' or the 'whole unseen'. In case, he means 'some unseen' then it has not the speciality of his respected personality, because such knowledge of 'unseen' is known to each Zaid and Amr, rather to every lunatic, mad, nay, to all living beings and animals".

('Hifzul Iman' Page 8 – By Moulvi Ashraf Ali Thanvi).

A simple reading of the above will surely spark the flame of anger and agony in the heart of every Muslim who has slightest love for Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

Imam Ahmad Raza has performed his duties while defending the honour of ALLAH and the Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and checked the attack on the honour of ALLAH and His beloved Prophet. This was also admitted by many among the disparagers themselves. Moulvi Ashraf Ali Thanvi remarked that Ahmad Raza was a true lover of Prophet and he rightly condemned his (Thanvis) writings in that spirit. Moulvi Sanaullah Amratsari admitted that it was incumbent on Moulana Ahmad Raza Khan to issue condemnation on aspersive writings of Wahabis as the interpretation of these writings as understood by him deserved it.

An analysis of the Wahabi literature, whether written by the Wahabis of Najid or their counterparts in the Sub-Continent of Indo-Pak shows that it always embraces three special characteristics:–

1. Sacrilege of the sanctity of the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in the name of unity of ALLAH.

2. Pronouncing all the Muslims of the world except Wahabis as infidel (Kafir) and Polytheist (Mushrik) in the name of unity of Ummah.

3. All such writters are totally deprived of the sense of reverence.

6. To distribute new literatures on Islamic Studies redefining therein the concept of unity of ALLAH and introducing in disparaging terms the concept of the term of Messenger of ALLAH and the position of the holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

7. To destroy all historical monuments and sacred relics inclusive of the Holy Tomb (Mazar-e-Aqdas) of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) on the lame excuse of destroying the signs of Polytheism (SHIRK). Mawahids of Najid, later on called Wahabis after the name of their founder Muhammad Bin Abdul Wahab, had declared themselves as true Muslims and the rest of the world Muslims as infidel (KAFIR) and Polytheist (MUSHRIK).

The pages of History have proved that the Zino-Christian forces acting according to their plan have succeeded not only in dismantling into small pieces the greatest Muslim State of Usmania Dynasty but also in bringing into power such fascist-cum-anti-Islamic personalities and discarded religious Muslims monorities which fully served their purposes and gave a fatal blow to the unity of Muslim Ummah. The most unfortunate happening as a result of this conspiracy was the establishment of Zionist State in Palestine and Christian-Cum-Other minorities dominated state in Lebanon the soil which was ruled by Muslims since the days of Hazarat Umar Farooq (Radhiallah-o-Anhu).

During the end of the eighteenth century the Wahabi ideas were also imported into Indian Sub-continent when some Indian Ulemas like Syed Ismail Dehelvi, Syed Ahmad of Raibareily and Rasheed Ahmad Gangohi etc. were influenced by Wahabi's thoughts after they developed contacts with the followers of Mohammad Bin Abdul Wahab during their pilgrimage of Makkahtul Mukaramah. The thoughts of this school were further introduced in the sub-continent through the translation of Mohammad Bin Abdul Wahab's books into persian and Urdu by Ismail Dehelvi and his followers followed by their own writings on the subject.

Following are the names of some of the renowned and learned religious Scholars of the Muslim World who took exception to the ideas of this movement which encouraged the sacreligence of ALLAH, the Holy Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and his traditions. They resisted the movement with full force of their knowledge by holding public debates and writing books:–

1. Allama Ibne Abedin Shami of Damascus.
2. Allama Syed Ahmad Zaini Dahlan of Makkah.
3. Sheikh Suleman Bin Abdul Wahab brother of Mohammad Bin Abdul Wahab of Najid.
4. Allama Syed Alvi Bin Ahmad Hasan Ibnul Qatbi.
5. Allama Jamil Effendi of Iraq.
6. Allama Aboo Hamid Bin Marzooq
7. Mufti Saddruddin Dehlvi.
8. Shah Abdul Aziz Dehlvi.
9. Allama Abdul Haq Khairabadi.
10. Allama Naqi Ali Khan of Bareily.
11. Shah AAl-e-Rasool Ahmad of Marahra.
12. Shah Imdadullah Mahajir Makki.
13. Allama Yousuf Bin Ismail Nibhani, the Chief Justice of Beruit.
14. Shah Ahmad Saeed Mujadded Dehlvi.
15. Shah Fazl-e-Rasool Badayuni.

Some of the glaring examples of the sacrelige of the sanctity of Almighty ALLAH and the hallowed Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) are as following:–

3. It is therefore not incumbent on Muslims to follow each and every sayings and practice of the prophet.

4. The Companions of the Prophet and their followers and followers of the followers were as well the ordinary human beings who always made mistakes, therefore, they too, can not become a standard guide for every Muslim.

5. Every Muslim, without the help of the traditions of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) or/and the traditions of his Companions can practice Islam by studying the Holy Quran directly by his own vision and wisdom.

6. Source of Islamic Jurisprudence (Shariah) other than Quran is questionable.

The introduction of above and similar obscene ideas in the Muslim Society were the result of Ziono-Christian conspiracy against the Universal Religion Islam and the greatest and most sacred personality of Holy Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

Not satisfied with this, they tried even to lift out the sacred body of the beloved Prophet of ALLAH Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) during the days of Sultan Nooruddin Zangi which was foiled by him at the nick of time.

The Ziono-Christain conspiracy though weakend the power of Islamic State during the course of time on many occassion and succeeded in creating many new sects in Islam out of Alhe-Sunnah-Wal-Jamaah, but they however, could not succeeded in checking the spread of Islam and expansion of its geographical territories.

Annoyed with the situation, Ziono-Christian conspirators have changed their strategy and drew up well thought systematic plan in the beginning of the Eighteenth Century. The plan was prepared in London and enjoyed full backing of all anti-Islamic forces of the time.

This was aimed to dismantle the Usmania Dynasty which was the symbol of Muslim strength and unity at that time. For this the discarded religious Muslim Minorities, Jews and Christians residing in the Usmania Dynesty were used as Agent. They included:–

1. Mawahids of Najid
2. Kharjees of Mascut
3. Darduse and Alavis of Lebanon and Syria
4. Saibis of Iraq.
5. Aliullahies and Parsis of Iran
6. Jews and Christians of Palestine, Syria and Lebanon
7. Hindus of the Sub-Continent.

The plan reads as follows:–

1. To create racial, tribal, sectarian and linguistic hatered among the Muslims.

2. To encourage the use of wine, adultry, usuary and Pork in the Muslim Society with the help of Jews and Christians and other Non-Muslims Communities living in Islámic States.

3. To damage and destroy the harmonious relationship and atmosphere of love and respect between Ulemas and general Muslim Public by way of:

   – Character assassination of Ulemas and Mashaikhs.

   – Infiltrating anti-Islamic personalities in disguise of (fake) Ulemas and Mashaikhs in important cities of Islamic States and appointing trained Jew or Christain Scholars, Orientists and teachers in the Universities of Constantinople, Baghdad, Damascus and Qairo etc.

4. To shake the Muslim's faith in "Sacred War" (Jehad).

5. To prove through distorted versions of Quran and Sunnah that the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) was not a man of eminence and reverence, and had no superiority even over an ordinary man.

the words of the Quran literally to heart that the faith of Muslim is not perfect unless he holds him dearer than his ownself.

He depicts the picture of the life of all those who embraced Islam on the hands of our beloved Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum) in following verses :

جس نے بیعت کی بہارِ حسن پر قرباں رہا
ہیں لکیریں نقشِ تسخیرِ جمالی ہاتھ میں

(That who once gave his hand to the Beauty of universe, spontaneously sacrificed his life for him as if he was so captivated by the charming lines of his hand).

Reallsing that this is the essence of Islam, he prays to ALLAH.

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

(Love for the selected Holy Prophet is the life Blood for me. May ALLAH nourish and flourish it for ever).

Thus Imam Raza Bareilwi has learned this lesson of "Love" from the Companions of Prophet and their followers, (Radhiallah-e-Anhum) and he madethis "Love for Prophet" not only a motto for his life but also a mission for his life. According to him the fundamental Article of Faith, the "Kalma-e-Tayyabah", consists of two affirmations : the universal truth, that there is no God except ALLAH and that Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum) is His Prophet.

Thus the personality of the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Walsallum) as such is insepara-ble part of our fundamental faith. For the Muslims, he is the holiest of the holy as he was the beloved of ALLAH Almighty Himself who has lavished praises on him again and again in the Holy Quran in boundless measures. It is, therefore, incumbent on every believer to become an obe dient slave of the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in order to become an obedient creature of ALLAH as Holy Quran puts it. (قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ)

(O'Beloved Prophet' tell the believers if you have been loving ALLAH, then follow me, ALLAH will then love you). He is the means of communication of the final universal message of ALLAH, the Greatest Blessing and Mercy for the man kind, n ay, for the whole universe.

The guidance from the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) is to be sought not only for the Welfare of this mundance world but also for the ultimate salvation in the hereafter. Imam Ahmad Raza emphasises that in fact we owe our Faith and all the blessings of life, spiritual and material to him. This demands that our devotion to him should be so great that we place him and his reverence above every-thing and we should be prepared to lay down even our lives for him. Iamam Bareilwilhas also learned from the history of Islam that since the days of Prophet (Sallal-lahu-Alaih-e-Wasallam) and after words the anti-Islamic forces like Hypocrates, Jews and Christians are determined to bring down the fall of Muslims. Failing in their efforts to win over them by force they tried to weaken their Ideology and faith in Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) by preaching and propagating such ideas as underminining the sanctity, love and the importance of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). For they realised that the Muslims always hold the Prophet in reverence to the utmost limits and held him in such a high esteem that they do not care to sacrifice even their lives for him. He is of course, a unifying force for Muslim Ummah, which differs sharply in race, colour, language,caste and creed.

These anti-Islamic forces penetrated into the Muslim Society in disguise of "newly coverted Muslims" and tried to divide the Muslim Ummah on the basis of linguistic unity, nationality, caste and creed, new faiths and believes. To give weight to their ideas they propagated that :-

1. Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) was only an ordinary man like all other human beings. His assignment was just to deliver the message of ALLAH and that is all, to give an example, like a postman.

2. To err is human as such he also committed errors.

ROLE OF IMAM AHMAD RAZA KHAN BAREILVI IN UPHOLDING THE SANCTITY OF THE HOLY PROPHET (SALLALLAHU-ALAH-E-WASALLUM)

By Wajahat Rasool Qadri

There is no dearth in Islamic History of such versatile personalities who have benefitted the world with their knowledge, wisdom, innovative ideas, intelligence and insight. Imam Ahmad Raza Khan S/o Naqi Ali Khan was one of such illustrious personalities who was born in Bareily (India) on 14th June, 1856 A.D. (10th Shawal-al-Mukarram 1272 A.H.). He, infact, surprised the world with the power of his wisdom and his complete command in different fields of knowledge. A born genius and a man of multidimentional personality as he was, in a short period of time he earned the world wide fame and was adorned with such titles, as Imam-e-Ahle-Sunnat, Aala Hazrat and Fazil Bareilvi. Fazil Bareilvi had acquired basic education in FIQAH and HADITH mostly from his learned father and his spritual Master (Sheikh) Shah Ml-e-Rasool of Marahra. But he acquired supremacy and command in almost 55 (fifty five) branches of knowledge of religious and Secular fields on account of his self effort, superb intelligence, and high degree of understandifng. He had a God-gifted talent and was indeed a disciple of the Beneficient (ALLAH). To put in his own language:

"AQUISATION OF ALL THESE KNOWLEDGES IS THE BENEFICIENCE OF MY MASTER THE LAST PROPHET OF ALLAH MOHAMMAD MUSTAFA SALLALAHU-ALAH-E-WASALLUM".

Imam Sahib was an expert Jurist of his time in the courses of Quran, Sunnah, Islamic Juris-prudence, Philosophy, Logic Mathematics, History, Mysticisim, Ethics, Astronomy, Astrology, Algebra, Geometry, Trignometry, Logarithm, Persian, Arabic, Urdu and Hindi literatures (Prose & Poetry), and many other fields and had written more than 1000 (One thousand) Books on different subjects.

He had a remarkable quality of fast reading with understanding and Spontaneous writing with message and meaning.

Like Sheikh Akber Mohiuddin Ibne-Arabi, the great Scholar and Mystic of his time, he wrote many books out of the warmth of his knowledge and not out of his lust for fame.

But, above all, the most important characteristic which earned him a distinction among men of letter and Scholars of reputation of his time, was his resolute faith in "ALLAH" and committed love for His last Prophet Muhammad Mustafa, Ahmad Mujtaba (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum).

It was this "Love for Prophet" which has been reflected in every aspect of his life, every angle of his thoughts and every line of his writings. It was the light of this pure shining "Love for Prophet" which illuminated his personality as a "Becon of Light" for all Muslims.

He drew all strength, satisfaction and inspiration from this "Source of Light". He himself says in one of his verses in the praise of beloved Prophet of ALLAH (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum).
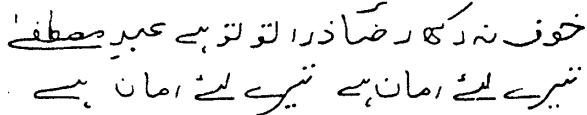
خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبدِ مصطفےٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

(O Raza! Don't be frightend!
Lo! Thou art the slave of the most selected person of ALLAH. Thou art protected. Indeed thou art protected).

He had a thorough knowledge of Quran, Sunnah and the related fields. He understood the real temperament of the revelation of Quranic Verses and its style of address. He knew that the message of Holy Quran cannot be understood without the light of illuminative traditions of our Master th reverend Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum). Imam Ahmad Raza Khan knew the secret by which the companions of Prophet became devoted Muslims. The secret was the profound love they had for the Holy Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum). He took

when a *Jamaat Raza-i-Mustafa* was established in Bareilly. Some of the members of this party made their presence felt at the conference of the *Jamiat-ul-ulama* held in Bareilly in March 1921. On that occasion,, Maulana, Sulaiman Ashraf, head of the theology department of Aligrah College and Khalifa of Ahmad Raza Khan, argued that there was no religious sanction for cooperation with the Hindus, particularly with those who had perpetrated atrocities on the Muslims of Arah, Shabbad and Kartarpur in the course of communal violence.[33] This summed up the attitude of the Barelvis towards the Khilafat movement in general and the involvement of the Hindus in that movement in particular. Maulana Sulaiman Ashraf was actually voicing the views of his *pir* which were set out in the *fatwa* issued in early 1920. In these Ahmad Raza Khan had declared that while cooperation with the Hindus was forbidden, it was lawful with the *ahl-i-kitab*.[39] Muhammad Mian of Marehra quoted the Quranic injunctions to prove that the leadership of a *mushrik* in religious matters was not permissible.[40] He was particularly harsh towards Abdul Bari and, in several 'open letters', the hollowness of his knowledge of theology was sought to he exposed.[41] Ahmad Raza Khan also wrote many letters to Abdul Bari urging him to renounce his views on certain issues concerning the Muslim community.[42]

It appears that Abdul Bari was signed out for attack for three main reasons. First, he was the moving spirit behind the *ulama–modernised* Muslims–Congress alliance. Secondly, he belonged to a line of *ulama* whom the Barelvis also included among their *akabir* or ancestor *ulama*. Some of the Barelvi *ulama* had even studied at Firangi Mahai; so it was considered necessary to prove that Abdul Bari had deviated from the path of his own *akabir*. Thirdly, Abdul Bari was also a *pir* was travelling extensively and asserting his position as a *pir* of a long line to enlist the support of the common Muslims. The *dar-ul-ifa* of Bareilly had become a *khamqah* and was frequented by *pirs* and *pir-adahs* of various *Khanqahs. So* the *Khanqahi ulama* appear to have sprung up against Abdul Bari in order to undermine his position as an *alam-pir* by exposing the fallacy of his logic regarding political matters.

The influence of the *Khanqahs* seem to have been greater than the *madrasas*. The modernised Muslijms realised it and rallied round Abdul Bari. Ahmad Raza Khan also recognised the position of Abdul Bari as a *pir* of a long line and resolved that he should have an equally impressive match on his side. So which he organised the *Jamaat-i-Anaur-ul-Islam*[43] in 1921 to combat the Khilafat movement, his eyes fell on Muhammad Mian. a young theologian and *pir* of the Khanqah-i-Barkata[44] of Marehra. Muhammad Mian expressed the same views which Ahmad Raza Khan held on Khilafat and non-cooperation.

The measures adopted for the implementation of the aims and objectives of *Jamaat* are not clear. It appears, however, that after the death of Ahmad Raza Khan in 1921. the Barelvi school became divided into many groups or silsilars–Nareema.

Deoband[16] as 'infidels' beause of their views on the Prophet. Over the years, the estragement between the Barelvis and the Deobandis continued and they extended to political issues as well. As is well known, the political upheavals in Turkey provided a basis for an aliance between the *ulama* and the western-educated Muslims. Moreover, events between 1911 and 1915 paved the way for a rapproachment between the Congress and several Muslim groups, culminating in the Lucknow Pact of December 1916. Ahmad Raza Khan watched these developments with unease. He was disturbed by the conciliatory mood of the *ulama*, and their willingoess[10] cooperate with the 'Hindu dominated' Congress. He therefore condemned the *ulama*, particularly those from Deoband, for their 'sell-out' and opposed the Lucknow Pact vigorously. His outbursts were of great significance because of his reputation as a distinguished theologian of the *Fiqh-i-Hanafi*, and above all, as a *pir* of considerable influence.

Ahmad Raza Khan wrote over a thousand books and pamphlets which influenced many. He founded a *dar-ul-ulum* called *Manzar ul-Islam* in 1905 which was able to draw students from different regions in India. His views were sought on a wide variety of social, religious, and political affairs, and he provided guidance to many.[17] including those from established *khanqahs.*[18] Many of his disciples[19] and *khalifas*[20] later founded modrasas which soon developed into important spiritual centres. Some took up teaching,[21] such as Maulana Sulaiman Ashraf[22] who headed the theology department of the M.A.O. College, Aligarh; while others swelled the ranks of the *pesh-imams* in the mosques.[23]

The Maulana also expressed his views on politics. His first *fatwa* on a political issue was issued in 1888-89 in the form of a *risalah* entitled *Aalam al-Eilam be-anna Hindustan Dar ul-Islam.* The *fatwa*, formulated in a purely theological framework, declared India under the British as *dar ul-Islam.*[24] This was an extraordinary posture, especially because of his apparent hostility to the British India. It is reported that he used to affix postage stamps on envelopes by turning it upside down, claiming that he had disagraced George V by lowering his head.[25] He also refused to appear in British law-courts.[26]

Ahmad Raza Khan also wrote on a number of other issues which concerned many Muslims. For instance, he disapproved of the activities of the *Anjuman-i-Khuddam-i-Kaa'ba* and is reported to have argued that the *'Anjuman'* by admitting to membership adherents of all kinds of unorthodox sects, is really subversive of Islam and is therefore unworthy of support.[27] Syed Ismail Hasan of Marehra.[28] who endorsed Ahmad Raza Khan's opinion emphatically, argued that the Anjuman should not enlist the support of the *bedin* and *badma-hab*, and that it should conform to the *sharia* and the belief *aqaid-i-immamia)* of the *Hazrat Ahl-i-sunnat wa-al-Jamaat.*[29]

Ahmad Raza Khan was alarmed at the growing cooperation between the *ulama* of Deoband and Firangi Mahat and the Congress. He regarded their rapproachement as unschievour *(sarapa fasad)* and considered Gandhi as an enemy of Muslims who exploited them to further the political objectives of the Hindus. And when Swam Shardhanaud addressed a Friday congregation at the Juma Masjid in Delhi, Ahmad Raza Khan and his followers were quick to condemn the use of the mosque for 'worldly purposes'. Maulana Muhammad Mian of Marehra.[30] a dedicated follower of Maulana Ahmad Raza Khan, described the mosque as the *'Khana-i-Khuda'* and arguesd that the *sharia* did not allow any other form of worldly activities.[31] Moreover, the public meetings, organised with the special purpose of voicing opposition to the 'law of the country', were a mundane affair and did not have the sanction of the *sharia.*[32] Regarding the entrance of non-Muslims in mosques it was explained that according to the *Hanafi fiqh* only *zimmis* could enter the mosques. In the Islamic state *Qazis* settled the affairs of the *zimmis* in mosques and, therefore, plaintiffs and respondents could not be excluded from the mosques[33] Such views could neither foster Hindu-Muslim integration nor promote Hindu-Muslim unity.

It appears that Gandhi attempted to cultivate Ahmad Raza Khan and to allay his fears and suspicious about the Congress involvement in the Khilafat movement. But this was of no avail. Ahmad Raza Khan declined to meet the Mahatma.[24] In his discussion with the Ali Brothers he reiterated his opposition to the Hindu-Muslim alliance.[35] The message was clear. The Barrelvis could not submit to the leadership of Gandhi. He also argued that it was dangerous for Muslims to join any anti-British movement, particularly when the community was educationally and economically backward.[36] Consequently, the Khilafat movement with its anti-British overtones was fraught with serious dangers for the Indian Muslims.

All this is not to suggest that Ahmad Raza Khan had no sympathy for the Turkish cause. In fact, he suggested various measures in order to help the Turks, such as the raising of funds.[37] What irritated him most was the Hindu dominance of a Muslim religious movement, the growing cooperation between the ÷⁺√⁺ and the Congress leadership, and the surrender of certain Muslim practices like cow-slaughter. A serious effort to combat such tendencies was made in January 1921

The Barelvis and the Khilafat Movement

Prof Syed Jamaluddin
NEW DELHI

The Barelvi School and its founder, Maulana Ahmad Raza Khan (1856-1921), have not received adequate attention. This paper attempts to fill in this lacunae by placing the school, its ideology, and its role in the Khilafat movement in a historical perspective.

Ahmad Raza Khan belonged to a noble zamindar family of Bareilly.*1* His father, Maulana Naqi Khan, sent him to *maktabs* and *madrasas* in the neighbouring areas where he completed his education in 1869–the year when he issued his first *fatwa.* By 1904, Ahmad Raza Khan's fame and influence spread beyond the confines of India. His views on various religious issues and his participation in theological debates had widespread appeal, and he gained an impressive group of adherents. These were the followers of the *Ahl-i-Sunnat* or the Barelvi school.

The Bareilvi school emerged in reaction to the movement of Muhammad bin Abdul Wahab and in oposition to the religious ideas of Shah Waliullah, Shah Ismail and the Deobandi *ulama.*[2] The followers of the theological school were in agreement with Shaykh Abdul Haq of Delhi (155-1642) and endorse his maxims in testimoney of their beliefs.[3] Like Maulvi Fazl Haq of Khairabad (1797-1861) and Maulvi Fazl-i-Rasul of Budaun, Ahmad Raza Khan also stressed the need for conformity *(taqlid)* and the importance of combating the here-beliefs of the *ulama* of the line of Shah Ismail of Delhi.[4] This has led historians to describe the Barelvi movement as socially retrogressive and backward-looking. Thus W.C. Smith considers the Barelvi school as 'moribund'. "It expresses and sustains', he observes, 'the social and religious customs of a decadent people . . . It is socially accommodating, winking perhaps at the drinking of wine and the like: but at the same time it adheres to the prevailing superstitions, sain' worship, and degradations. The Barelvi clergy accept the piteous villages of India as they find them; and their Islam is not without qualification or critieism of the actual religion of those villagers'.[5] The *Fatawa-i-Rizvia* provides a corrective to many such false notions regarding the Barelvi movement. These need to be closely examine.[1]

During his lifetime, Ahmad Raza Khan concerned himself with several issues. He was principally concerned to eliminate all those aspects in Indian Islam which had Hindu influence. He therefore forbade the prostration at sufi shrines, disapproved of women's presence at such places, and opposed the use of candles or benozin at graves.[6] In addition, he wrote extensively in defence of the Prophet in response to some 'disparaging' remarks made by the followers of Shah Ismail.[7] This resulted in the publication of *Subhan al-Subhan aib-i-kidh-i-maybak* in 1891. And finally, Ahmad Raza Khan strove hard to explain. interpret, enforce and popularise the Hanafi doctrines.*

Ahmad Raza Khan was also acutely aware of the importance of resolving the bitter doctrinal disputes amongst the *ulama.* This was particularly necessary in view of the growing Hindu-Muslim schism as manifested in the outbreak of communit violence in parts of the United Provinces, and in the actualies of sectarian movements, such as the Arya Samaj. He believed that unity among the *ulama* and concerted action on their part could the wart the proselytising activities of both the Christian missionaries and the Arya Samajists. This led him to join the conference of the *Nadwat al-ulama* held in April 1894.[9] But him enthusiasm for the *Nadwat al-ulama* dampened soon after the Mohammedan Educational Conference extended its support the aims and objects of the seminary.[10] When the third conference of the *Nudwat al-ulama* was held at Bareilly in April Ahmad Raza Khan kept aloof; all efforts to draw him into the *Nadwa* movement failed. The proceedings of the second conference of the *Nadwa* in Lucknow was the last proverbial straw.

At the Lucknow Conference, Maulana Muhammad Ali Mungeri (1846-1927) made the extraordinary statement that muldal disagreements and differences amongst Muslims was an unpardonable sin. The Barelvis challenged the validity of this assertion.[12] They also criticised the view that the *muqallids* and the *ghair-muqallids* had no fundamental incompatibility and that their objectives were the same.[13] They argued that there was no common unifying element between the two.

Soon after the conference Ahmad Raza Khan launched his attack against the *Nadwa.* He said that the literature produced by the institution did not conform to the beliefs of the *ahl-i-sunnat,* and that the institution was a gimmick of the *nechuris,* the followers of Syed Ahmad Khan.[14]

Ahmad Raza Khan had serious differences with the Deoband *ulama* as well. These came to the fore in 1905 in the form of his *fatwa–Hisam al-Harmain,* drafted in 1904 during the Maulana's pilgrimage to Mecca and Medina.[15] The *fatwa.* signed by thirty-four *ulama,* declared the *ulama* of

For this training these duties are inclusive. If the intention is noble, these situations do not arise. Imam Abul Ishaq Asfarini, on hearing about such wrong actions of the innovators, went to them on the mountains, to those great scholars who had renounced the world completely and engaged in their spiritual training. He said to them : "Oh, eaters of dry-grass! You are here and the followers of Prophet Muha, mad (Peace be upon him) are in troubles of all sorts". They replied, "Oh Imam! this is your work because we cannot do it". He came back and produced literature to refute the arguments of those people who had initiated these wrong actions.

- Do the worldly worries produce some effect on the heart of a true schola?

Yes, the worries of the world do cause a difference in the condition of a scholar's inspired heart.

- Which days are prescribed for undertaking a journey?

Thursday, Saturday and Monday. It is in the Hadith that he who goes out on Saturday before sunrise for fulfilment of his need. I am his surely. By the Grace of God, when I went to Mecca and Madina for pilgrimage for the second time, I started from here and came back from there on one of these three days. And by God's Grace the day of my birth is also Saturday.

- What was the age of Hazrat Abu Bakr Siddiq (May God be pleased with him), at the time of accepting Islam?

38 years and except Hazrat Usman, the generous, who had a life of 83 years, the other three Caliphs and Hazrat Amir Muaviah and Prophet Muhammad (S.A.W.) himself had a life of 63 years. Of course, there were differences of days or months but the year of death was the same.

- Is it or is it not allowed in Islam to eat food of Khatam Shareef of the eleventh day (Giarah-ween) in the house of a washerman, or to eat or take salary from the house of a prostitute?

There is no harm in eating in the house of a washerman. The ignorant people have spread a word around that the food in the house of a washerman is impure, but it is completely wrong. However, it is not allowed to eat in the house of a prostitute. If she gives salary from impure money, it isn't allowed; if something is sold to her and she pays from it, that also isn't allowed. But if she borrows money and gives it, it is allowed.

- Was the Holy Quran divided into Paras (thirty sections) in the days of the Sahabas?

Imam Jalaluddin Sayuti has collected maximum possible traditions and authentic statements about the Holy Quran and the matters relating to it in his book "Kitab-ul-Ittquaan". There is no mention of Paras in it (chapters) which implies that there was no division of the Quran into Paras in his days, though Rukoo had been introduced eight hundred years earlier. The Quranic scholars had introduced 540 Rukoo excluding the Ahmad Shareef so that if a person reads one Rukoo in one Taraveeh he can finish the Quran on the 27th night, which is Shab-e-Qadar.

- Is the date first today?

It was first yesterday, because the moon was sighted yesterday. It is the second night tonight. To determine the beginning and the end of dates there are four methods; Firstly, the Christians reckon a date from midnight to midnight. Secondly, Hindus reckon it from sunrise to sunrise. Thirdly, the Greeks reckon it from moon to moon and this is used in geometry. Fourthly, the Muslims reckon it from sunset to sunset, and our interllect accepts it because darkness precedes light.

Sayings (Al-Malfooz) of A'la Hazrat
Maulana Imam Ahmad Raza Khan Bareilvi

Compiled by

The late greatest Mufti of India,
Hazrat Maulana Muhammad Mustapha Raza Khan Bareilvi

and rendered into English by

Professor G.D. Qureshi

New Castle Upon Tyne, England

- **Which thing was created first of all?**
  It is in Hadith.
  "Oh! Jabir, undoubtedly God Almighty created the light of your Prophet from his own light before everything else."
- **Could I know, sir which thing was created first in the universe?**
  God Almighty created the sky in four days and the earth in two days; Sunday to Wednesday, the sky, and Thursday to Friday, the earth. So it was between the afternoon prayer (ASAR) and the sunset prayer (MAGHREB) on Friday that Adam (Peace be upon him) was created.
- **What is the lowest degree of intuitive knowledge?**
  Hazrat Zunnoon Misri (May God bless his soul) said that he made a journey once and brought knowledge which was accepted by the ordinary as well as the privileged people. He made the journey for the second time and brought that knowledge which was accepted only by the privileged people of God: the general public did not agree to own it. He made the journey for the third time and brought that knowledge which was accepted neither by the ordinary nor by the privileged people.

Here journey does not mean travelling in the physical sense, but it means a journey of the heart. This is the true state of his depth of knowledge and the lowest degree would be the trust and acceptance of that amount of knowledge which one may understand. Hazrat Sheikh Akbar, and great suffis of this field and scholars have said that the lowest degree of intuitive knowledge is that a person should affirm the opinions of the scholars of this field, because if he didn't know he wouldn't affirm.

Hadith says also: Spend your night till the morning in a way as if you are a scholar or you are acquiring knowledge or you are listening to a scholar's sermon; or the lowest manner is that you should hold the religious scholar in a high esteem, and apart from that any fifth rule would lead you to destruction. It is forbidden for non-scholar to make a speech on a religious subject.

- **What is the definition of a scholar?**
  The definition of a scholar is that a man should know his creed well and should be firm in his belief and should be able to find out the references and quotations from the anthentic books himself without the help of another person.

- **Does one get knowledge only by reading books?**
  This is not sufficient because one gets knowledge from the words spoken by other people.
- **Sir, is there any age limit for a formal training in religious knowledge of a high level?**
  For a training at least eights years are required, but one must continue to aspire for it.
- **Should one start this formal training at the age of eighty or should he train himself for a period of eighty years?**
  The intention is that it takes eighty years if we take into consideration the rational functioning of this universe on its basic cause and effect theory. But God's kindness and a person's devotion can intercede and change a beginner into a scholar.. If a person devotes himself to this spiritual exercise with a true intention, divine help is always there. God says : "If anybody will try to go on my way, I will certainly guide him by showing the right direction."
- **Sir, it's only possible for one to do so if one decides to devote oneself completely to Him. If one gives up the material ways of earning one's livelihood, it is also very difficult and this religious duty which one imposes upon himself will also have to be given up.**

(v) The most eminent scholar Pakistan *Dr. Ghulam Mustafa Khan*, (Head of the Department of Urdu, University of Sind, Hyderabad, Pakistan) discussing the poetry of *Ahmad Rida Khan* explained his view about one of his Qasidas as "unparalleled in the history of Urdu literature". He gave an extension lecture at the University of Karachi on :

Urdu Shad'ri Aur Tasawwuf.

In this lecture he highly praised the poetry of *Ahmad Rida Khan* especially a poem from his *Diwan "Hadaq-i-Bakhshish"* (1325/1907).[49] He expressed :–

It will be advisable to refer to a ***Devotee of the Holy Prophet*** (S.A.S.) *viz. Mawalana Ahmad Rida Khan* (d. 1340/1921) from whom our writers continued to turn a deaf ear but perhaps he was the only Muslim Theologian who used countless Urdu idioms in his prose and poetry and made Urdu poetry sublime by his scholarship––––and for whom the love of the Holy Prophet (S.A.S.) was the main stay of Sufism. (Photstat, p. 29).

(vi) Dr. Farman Fathpuri–a leading writer of Pakistan writes in his book *"Urdu Ki Na'tiyya Sha'ri"* (Lahore: 1394/1974, p. 86) :–

'The name of *Ahmad Rida Khan Bareilvi* is most prominent among Muslim Theologians as Na'at writer."

(vii) Niyaz Fathpuri, a renowned poet and critic of both India and Pakistan 'comments on the poetic art of *Mawalana Ahmad Rida Khan* as :–

"Poetry and literature are my domains in particular. I have gone through N'atiya poetry of *Ahmad Rida Khan* with interest and attention. The first impression which one gathers from his poetry is that of his devout love for the Holy Prophet of Islam and secondly one is struck by his vestness of knowledge, sub-limity of thought and excellence of expression. His individuality is also reflected but simply as a foil to his love for the prophet in his Na'ats. This note of individuality sounds like poetic exaggeration to those who are unaware of his poetic art. In fact his Ideas are full of realism.–––––*Mawalana Hasrat Mohani* (a poet and freedom-fighter) was also highly appreciative of *Ahmad Rida Khan.* . . . . *Ahmad Rida Khan* was also well-versed in Arabic idiom and the art of scansion."

(Quoted in "Tardjuman-i-Ahl-i-Sunnat, Karachi,
December, 1975 : p. 28)

(viii) Recently *Shafiq Bareilvi* has published a beautiful collection of selected Na'ats with the title of *"Armughan-i-Na'at* (Karachi, 1975). In this collection he has included the Na'at of *Ahmad Rida Khan.*[50]

Demise

Ahmad Rida Khan gave verdicts (*Fatwas*) for more than half a century (from 1286/1896–1336/1921) fortified the faith of Muslim masses and showed right path to the Muslim Politicians at that critical juncture of 1920. Thus he completed his mission and now he was preparing for his last journey. On Friday 25th Safar 1340/1921, he left this mundane world for heaven.[51] His mausoleum is situated at Bareilly (U.P., India). His death anniversary is commemorated all over Indo-Pakistan Sub-continent on 24th and 25th Safar, and special issues of newspapers and periodicals are published.

1. *Mawlana Sayyid Muhammad Muhaddith* (d. 1383/1963).
2. *Mawlana Muhammad Na'im al-Din* (d. 1367/1948).[36]
3. *Mawlana Sayyid Muhammad Ahmad* (d. 1380/1961).
4. *Mufti Muhammad 'Umar* (d. 1385/1966).
5. *Mawlana Muhammad 'Abd al-'Alim* (d. 1374/1954)[37]
6. Mawlana M*uhammad Sharif* (d. 1371/1951).
7. *Mawlana Abd al-Hamid Badyuni* (d. 1390/1970).

Ahmad Rida Khan had strong hold on Muslim masses and it was masses that made the movement of Pakistan a success. The majority of the Muslim voters was under the influence of him, his caliphs, desciples and pupils. So the credit should go to him and his followers. Historians of the world especially of Indo-Pak Subcontinent should draw their attention to this most significant aspect of freedom movement.[38]

The love of *Holy Prophet* (S. A. S.) is the summum bonum of Islamic politics and has played important role in the history of Muslim World. *Ahmad Rida Khan* was the *Torch Bearer* of this love in the Indo-Pak Sub-continent. The only Motto of his life was the *"love of the Holy Prophet"* (S. A. S.) and he could leave no stone unturned in defending this love. Throughout his life and in all his works he maintained this Motto and in this respect he could not compromise with any.

His poetry totally depended on this love. Hence it has great religio-political importance. He awakend the Muslim Nation from a sound sleep, purified their hearts and kindled the fire of love in an atmosphere where the people tried their best to extinguish it.

Literary Services

Ahmad Rida Khan was a poet of high caliber. He adopted Na'at[39] the most difficult of all the branches of poetry, but all the same he reached at the highest pinnacles. He was an unrivalled lover of the Holy Prophet (S. A. S.), a great scholar and a great saint. These mental and spiritual qualities elevated his poetry and made it highly ecstatic, lucid and profusely rich with rhetorics.[40]

It is regretted that the Urdu literature has been the target of sectarianism. that is why he was deliberately neglected in Urdu literature by the latter historians and biographers. And even today the scholars hesitate to appreciate his poetry with open heart due to sectarian bias.

For the first time, after half a century, *Mawlana Kauthar Niyazi* the Minister of Religious Affairs, Government of Pakistan, and himself a brilliant poet, publicly paid homage to *Ahmad Rida Khan* which is most daring and highly appreciable. In a gathering at *Karachi*, on 13 April, 1975/1395 he expressed his feelings in his presidential address as under:—

> There born a person in Bareilly who was the Imam (Guide) of Na'at writers and whose name is *Ahmad Rida Khan Bareilvi.* It is possible that some might differ from him on some points or the difference may be on some dogmas, but there is no doubt that his Na'ats are completely full with the love of *Holy Prophet* (S. A. S.).[41]

How astonishing it is that from 1920 to 1970 A.D. he remained in darkness as a poet in literary circles. But since 1970 the sincere efforts of some workers like *Hakim Muhammad Musa* (Lahore) etc. have turned the tables. And it is mainly due to his efforts that scholars of Pakistan have made the facts come to light. A few facts about thepoetry of *Ahmad Rida Khan* are presented here, from which one can easily judge his rank among the poets of Urdu.

(i) Mirza Dagh of Delhi (d. 1323/1905) was the teacher of *Hasan Rida Khan*, the younger brother of *Ahmad Rida Khan.* One day he enjoyed a verse of Ahmad Rida Khan by the lips of his younger brother. Being intoxicated he remarked :—

"Lo, a Mawlavi,[42] and such a fine verse!"[43]

(ii) The *Qasida-i-Na'tiyya* (economium in praise of the Holy Prophet S.A.S.) of *Mohsin Kakorvi* (d. 1323/1905) is considered to be the best in Urdu literature. But when *Mohsin* himself called on *Ahmad Riada Khan* to recite his *Qasida* before him and listened his *Qasida M'radjiyya* (encomium in praise of the Holy Prophet's Ascension),[44] *Mohsin* had been so impressed that he folded his own Qasida and put it in his pocket.[45]

(iii) Commenting on this Qasida-i-M'radjiyya the eminent poets of Lucknow expressed their view unanimously :—

"It language has been washed in *"Kauthar"* (name of a river in Paradise).[46]

(iv) The well-known commentator of *Dr. Muhammad Iqbal,* to Poet of the East, Professor Yusuf Salim Chishti commending the SALAM[47] of *Ahmad Rida Khan* says :—

> There is hardly any person who does not remember two or four lines of his SALAM by heart.[48]

to this fact. He reviewed and revolutionised the Muslim Scociety, especially the Muslims of Indo-Pak Sub-continent, that is why the Arab scholars like *Shaykh Ismail bin Khalil* and *Shaykh Musa 'Ali Sham* commended him as the Revivalist *of the 14th Century A.H.*

If he is called the Revivalist of this Century it will be right and true.[24]

The Muslim Savant and saints all over the world apprecia ted his services to *Islam* and bore testimoney to his extraordinary scholarship.[25]

In 1322/1904 he founded *Dar-al-Ulum Manzar-i-Islam* at *Bareilly* (U.P. India), which played an important role, but the fame and prestige of *Ahmad Rida Khan* was not indebted to this *Dar al-Ulum* like others. *Scores of* Dar al-Ulum in India and especially in *Pakistan* are under his influence.

Ahmad Rida Khan infused the zeal of preaching and missionary work to his Caliphs, desciples, and pupils. Some of them rendered great services to Islam which must be recorded in the history.[26] His renowned Caliph *Mawlana Muhammad 'Abd al-'Alim Siddiqi* (d. 1374/1954) toured all over the world, propagated Islam and made hundreds and thousands non-Muslims embrace *Islam*. He met the world renowned Irish dramatist and philosopher *George Bernard Shaw* on 17th of April, 1935, during his visit to *Mombassa* and discussed the religious problems with him. After the discussion when they parted Shaw expressed his feelings as under:–

I have been very pleased to make acquaintance and it will be the most precious of all memories of this trip of mine.[27]

'Abdal-'Alim's son Mawlana Shah Ahmad Nurani[28] and son-in-law *Dr. Fadl al-Rahman Ansari*[29] (d. 1394/1974) also rendered great services to Islam. The later compiled a unique book in English with the title :–

"The Quranic Foundations and Structure of Muslim Society".
(Karachi, 1973).[30]

Political Services

Mawlana Ahmad Rida Khan, as stated earlier, was the grandson of *Mawlana Rida 'Ali Khan'* (d. 1282/1866), the great theologian and warrior who fought with *General Bakht Khan* against English invaders in 1250/1834. General Hudson announced a reward of Rs. 500.00 for the one who could behead him. An English historian writes that *Rida 'Ali Khan* did his best against English domination and supported the freedom fighters with horses and weapons[31].

Being the grandson of such a warrior he could not remain aloof from Freedom Movement. Although he did not take any active part yet he paved the way for freedom with his brilliant philosophy based on the *Holy Quran* and Hadith. It is his love of freedom that the personalities like *Mawlana Fadl-i-Haq* (d. 1278/1861)[32], and the Martyr peot *Mawlana Kifayat 'Ali Kafi* (d. 1275/1858)[33] had been his favourite models.

He was against Hindu-Muslim Unity. This was the basic idea which can rightly be called the foundation of Pakistan.

In 1920, when the Islamia College, Lahore, was entangled in non-co-operation movement, with the suggestion of *Dr. Muhammad Iqbal* (the Poet of the East) and the Members of Anjuman-i-Himayat al-Islam,.Prof. *Hakim 'Ali* the Vice Principal of Islamia College, presented an *Istifta* before *Ahmad Rida Khan.* He was seriously ill at that critical juncture but he gave his verdict undauntedly which was published as a treatise with the title of :–

Al-Muhadjdja- al-Mu'tamina[34].

This treatise can be called a precious and valuable document for freedom fighters. It paved the way and changed the ideas of the great politicians like *Dr. Muhammad Iqbal* and *Qaid-i-A'zam M. A. Jinnah.*

His caliphs, desciples and pupils took active part in freedom movement. They had discussion with *Abu al-Kalam Azad* and *Ali Brothers* (*i.e. Mawlana Muhammad 'Ali* and *Mawlana Shaukat 'ali*).

On 13th Radjab 1339/1920 a public meeting was held at *Bareilly* under the auspices of *Djam'yyat-i-Ulama-i-Hind. Maulana Abu Al-Kalam Azad,* the first Minister of Education of Bharat (India) was on the stage. *Ahmad Rida Khan's* Caliphs *Mawl na Sayyid Sulayman Ashraf, Mawlana Muhammad Zafar Al-Din, Mawlana Hamid Rida Khan* (the elder son of Ahmad Rida Khan) *Mawlana Burhan al-Haq,* etc., were also invited. They had open and free discussions on political issues publicly with *Mawlana Abu al-Kalam Azad* and refuted Hindu-Muslim Unity.[35]

In 1946/1366 an ideal conference was held at Benares (India) Hundreds and thousands 'Ulamas (followers of Ahmad Rida Khan) from all over Indo-Pak Sub-continent attended this conference. A resolution was unanimously passed in favour of Pakistan and thenceforward his caliphs and desciples and followers expanded and enhanced their political activities all over Indo-Pak Sub-continent.[36] Among them the following were prominent :–

The renowned Theologian-cum-politician figure of Pakistan *Mawalana Abu al-A'la Mawadidi* writes in his letter (dated 12 February 1974 addressed to the editor of The Monthly *Tardjuman-i-Ahl-i-Summat*, Karachi) :-

In my eyes the late *Mawalana Ahmad Rida Khan* was the bearer of religious knowledge and insight and was a respectable leader of the majority of Muslims.

(4) *Dr. 'Abd Allah* (the Chairman. Department of *Encyclopaedia* of Islam, University of the Punjab. Lahore) writes :

A scholar is the mind and tongue of his nation. And a Muslim Scholar whose axis of thought is the Quran and the Prophetic Tradition; is the interpreter of science and learning : the proclaimer of truth and righteousness and the benefactor of humanity. It will be no exaggeration if I say that *Mawalana Ahmad Rida Khan* was a scholar of the same kind.[18]
(5) *Mr. Khurshid Ahmad* while discussing the scholarship of *Ahmad Rida Khan* remarks : "*Mawalana Ahmad Rida Khan* is the founder of Bareilvi school of thought and one of the most important scholars of this era. He had started writing in the last quarter of nineteenth century A.D. and this continued till his death in 1921. A part from jurisprudence and Tafsir (commentry of Holy Quran) he was master in Philosophy and Mathematics. The standard of his writings is very high. Besides the translation of Holy Quran in idiomatic Urdu he had contributed several books in Arabic language on pure scholastic topics. He had also written books in refutation of *Ahl-i-Hadith and Ulama-i-Deoband.*[19]
(6) The editor of the monthly *Ma'arif* (a leading journal of India) observes :-
The late *Mawalana Ahmad Rida Khan* was a great scholar, writer and a jurist of his time. He wrote treatises pertaining to hundreds and thousands of minor and major problems concerning jurisprudence.[20]
The editor of *"Les Nouvellous"* (Prort Louis/Mauritius) writes :-
Maulana Imam Ahmad Rida Khan (R.A.) is a renowned writer of Islam. Among his literary works of about 700 books, he wrote the famous *Fatava-i-Ridawiyya* in twelve volumes, each consisting of about 850 pages. He had a profound knwoledge of science too, for he was a Master of Mathematics and Astronomy. He dedicated his whole life to the religion of Allah and acted as a shield against those who wanted to assault the principles of the *Ahl-i-Sunnat wa Juma'at*, for he was truly a great defender of the Faith. On his visit to *Mecca* and *Madina*, he was greeted with great dignity and was conferred upon the title of *Imam-i-Ahl-i-Sunnat*" by eminent theologians. They hailed him as a *"Reformer* of this Century", and adopted him as their Spiritual Guide.21

(7) A well-known author and critic of Indo-Pak Sub-continent *Mr. Niyaz Fath Puri* expressed his impressions regarding *Ahmad Rida Khan* as under :-
"I had the good opportunity to meet *Ahmad Rida Khan*, who was an exceptionally gifted person. His study was both varied and intensive and reflected itself in his demeanour. In spite of humility and good-naturedness, he had a strange air of awe over his face."
(Quoted in *"Tarjuman-i-Sunnat"*, Karachi, December, 1975 : p. 27).
Lean and thin yet he possessed a gigantic personality. He left a profound influence over his epoch. None among his contemporaries was so powerful as to influence the majority of Muslim population of Indo-Pak Sub-continent all alone from East to West and from North to South.
Dr. S. M. Ikram, a renowned Pakistani scholar spotlights this influence as under :-
. . .but it is popular among the masses, and in *West Pakistan* especially in South West Part of *Punjab* its hold is strong.[22]

Religous Services :

The religious turn of mind of *Ahmad Rida Khan* was in creed and law unalterably determined by the old traditional views. Though he was well versed in scores of branches of knowledge yet in the later years he restricted his interest in the following branches of religious leanings :

(i) To support and defend the Holy Prophet (S.A.W.)
(ii) To uproot the innovations prevalent in Muslim society.
(iii) To issue *Fatawa* according to the *Hanafi* school of jurisprudence.[23]

He hit the targets in these fields with unshakable confidence and accuracy that none among his contemporary scholars could claim to be his equal. This is not an exaggretion. His voluminous works, a hidden treasure to be explored by the orientalists of the world, will bear the testimony

NEGLECTED GENIUS OF THE EAST

Professor Muhammad Masood Ahmad

Parentage

Parentage

Mawalana Ahmad Rida Khan was born at Bareilly (India) in 1272/ 1856. His father *Mawalana Naqi 'Ali Khan* (d. 1297/1880) and grandfather *Mawalana Rida 'Ali Khan* (d. 1282/1866) were celebrated theologians recognized as such by academic circles of the entire subcontinent.[1]

Educational Career

Mawalana Ahmad Rida Khan completed his education career under his father[2] as well under famous scholars like :–

1. *Shaykh Ahmad bin Zayn Dahlan Makki* (d. 1299/1881).[3]
2. *Shah Al-i-Rasul* (d. 1297//1879).
3. *Shaykh 'Abd-al-Rahman Makki* (d. 1301/1883).
4. *Shaykh Husayn bin Saleh* (d. 1302/1884).
5. *Shah Abu al-Husayn Ahmad* (d. 1324/1906).

Scholarship

Mawalana Ahmad Rida Khan was astonishingly well versed in more than fifty branches of learning pertaining to Ancient Sciences[4], Modern Sciences, [5] Current Sciences and Oriental Learnings and left contributions in all these academic disciplines. His caliph *Mawalana Muhammad Zafar al-Din* (d. 1382/1962) had compiled his chronological bibliography *al-Mudjmal al-Mu'ddid* in 1327-1909 i.e. 12 years before the death of *Ahmad Rida Khan*. In this bibiography he has mentioned about 350 books and treatises on more than fifty branches of knowledge.[6] His knowledge was indeed encyclopaedic.[7]

Sufism

In 1294/1827 he went with his father to visit *Shah Al-i-Rasul* (d. 1297/1879). He was admitted to the *Qadiriyya Order* and was permitted to enrole and train neophytes. He had similar authority in thirteen other orders.[8]

Pilgrimage

In 1295/1878 he went with his father for the first pilgrimage and got diplomas from famous Arab scholars at *Mecca.*[9] In 1323/1905 he proceeded for his second pilgrimage. During his stay at *Mecca and Madina* he won the respect of noted scholars who visited him and received from him diplomas and *Fatawa.*[10]

Master Jurist

On 14th Shaban 1286/1869 he started issuing *Fatawa* and gave verdicts on Muslim jurisprudence.[11] At that time he was only a boy of less than 14 years old.[12] Afterwards he attained such eminence in this field that the scholars of the Indo-Pak subcontinent and also of the Islamic World acknowledged him as a great Jurist.[13] He had full command over Muslim Jurisprudence so much so that he differed in certain verdicts with the great Islamic savants like *'Allama Shami, 'Allama Tahtawi, Shah Wali Allah* etc.[14] He had great insight in Fiqh. The following Savants, Scholars, philosophers and Journalists highly praised his scholarship and command over Muslim Jurisprudence.

The poet of the East *Dr. Muhammad Iqbal* remarked :–

"Such a genius and intelligent jurist did not emerge."[15]

The Great Mufti of India *Shah Muhammad Mazhar Allah*, Commending *Ahmad Rida Khan* writes :–

"I do think *Mawalana Ahmad Rida Khan* was the genius and a great scholar of *Ahl-i-Sun n at wa Djamat.*"[16]

162. Blessed be my beloved benefactor,
Descendant of God's Last messenger.

163. Blessed be the embodiment of Light,
Helping others to attain spiritual height.

164. Blessed be Ahl-e-Sunnat till eternity,
Without judgement or accountability.

165. Blessed be, Oh God, myself in the end,
For liking those, whom you befriend.

166. Blessed be my kind ancestors,
Parents, brothers, sisters and teachers.

167. Blessed be our Prophet's followers,
Who seek God's help in their prayers.

168. Blessed be his presence with grace,
On the judgement day, with divine praise.

169. Blessed be Mustafa, mercy for mankind,
May angels sing it with Riza and his kind.

143. Blessed be the man, who re-established caliphate,
Renowned fourth pillar of the Islamic state,

144. Blessed be that rare marvel of Nature,
Whose sword flashed in his victory over Khyber.

145. Blessed be that supporter of Islamic light,
Who defeated the enemies of Islam with might.

146. Blessed be those muslims, fair and just,
Who had, before and after victory, in God their.

147. Blessed be that Muslim's eyes and vision,
Even once who saw Prophet's sweet complexion.

148. Blessed be those who are loved by God,
Whose enemies have been cursed by God.

149. Blessed be the pious, whose foreheads shine,
Who drink and distribute the spiritual wine.

150. Blessed be his descendents male,
On whom his preaching did prevail.

151. Blessed be his love of humanity,
A model of grace and morality.

152. Blessed be Four Imams of Law,
Ahmed, Malik, Shafiee, Abu Hanifa.

153. Blessed be the leaders of Islamic way,
Who equally excelled in the mystic way.

154. Blessed be that marvel of nature,
Ghaus-ul-Azam, the divine leader.

155. Blessed be that pillar of Islam,
Who saw this world in his palm.

156. Blessed be that man's mysticism,
Who out-shone others in realism.

157. Blessed be that foot-miraculous.
Which stood on the neck of the virtuous.

158. Blessed be that King of graces,
Of past and present, of all places.

159. Blessed be that fragrant flower,
Of Muhammed's virtuous power.

160. Blessed be the pride of Quadri Creed,
Hamza, God and Prophet's Lion, indeed.

161. Blessed be the man, admittedly best,
In name, body and soul from the rest.

124 Blessed be Prophet's dynasty indeed,
Unsurpassed in courage and creed.

125 Blessed be that wedlock of honour,
Between the Prophet and Siddique's daughter.

126. Blessed be that face, holy and bright,
Which God praised in the Surah of Light.

127. Blessed be the house so honoured,
That even Gabriel by permission entered.

128. Blessed be the adjudicator of four schools,
Which interpret all the Islamic rules.

129. Blessed be the disciples of the messenger,
Who stood by him in battles of Uhad and Badar.

130. Blessed be the group of ten wise-men,
Who were assured of places in heaven.

131. Blessed be that radiant appearance,
Which was called by God into his presence.

132. Blessed be that pride of Caliphate,
Follower of Prophet, true and consummate.

133. Blessed be Siddique's company and pelf.
Who is next to none but the Prophet himself.

134. Blessed be the man sincere and kind,
Who advised the Prophet, with heart and mind.

135. Blessed be Umar, God's true friend,
Whose enemies awaited a bitter end.

136. Blessed be that administrator strong,
Helper of the right, enemy of the wrong.

137. Blessed be his justice and fairplay,
Who worked for the Prophet in every way.

138. Blessed be that spiritually rich worshipper,
Who offered with Prophet in poverty his prayer.

139. Blessed be the man who earned the rar honours,
Of marrying to the Prophet his two daughters.

140. Blessed be Usman the generous and rare,
Who attained martyrdom while in prayer.

141. Blessed be Murtaza, the Lion of God,
Who Vanquished the cruel with an iron rod.

142. Blessed be the leader of knowledge mystique,
Whose heredity and virtue were unique.

105. Blessed be the brave Lion's Stride,
Who won bold Hamza to his side.

106. Blessed be all his habits fair,
May God bless his every hair.

107. Blessed be his eventful life,
Peace motivated whose strife.

108. Blessed be his devoted friends,
Pease on whom every Muslim sends.

109. Blessed be Prophet's family members,
Who are all like heavenly flowers.

110. Blessed be that garden of piety,
Whose plants grew with the water of purity.

111. Blessed be their nascent purity,
Who belong to our Prophet's family.

112. Blessed be that symbol of honour,
Pious Batool, our Prophet's daughter.

113. Blessed be the veils of graces,
Which from sun and moon hid their faces.

114. Blessed be our Prophet's beloved daughter,
Pious, pure and women's leader.

115. Blessed be Hassan, the generous leader,
Who rode on Prophet's shoulder.

116. Blessed be his glorious magnificence,
Symbol of knowledge and eloquence.

117. Blessed be the sweet sermons on culture,
Preached by the honey-tongned messenger.

118 Blessed be the martyr, red-attired,
In the desert of Karbala who expired.

119. Blessed be our departed leader,
Gem of Najaf, the sun of honour.

120. Blessed be those symbols of piety,
Mothers of the muslim community.

121. Blessed be those emblems of modesty,
Members of the House of dignity.

122. Blessed be Prophet's bosom friend,
Whose affection and loyalty knew no end.

123. Blessed be that home blissful,
Declared by God as Peaceful.

86. Blessed be his God-loved face,
And his childhood charm and grace.

87. Blessed be the sweet buds blossoming,
And tbe plants gradually growing.

88. Blessed be his habit of keeping away.
As a child from meaningless play.

89. Blessed be his unpretentious style,
Informal but very encouraging smile.

90. Blessed be his ways immaculate,
In every sense pious and great.

91. Blessed be his symbolic assertions,
Easy solutions to difficult situations.

92. Blessed be his simple-mindedness,
Leading to acts of selflessness.

93. Blessed be he who went to pray,
In a cave alone, by night or day

94. Blessed be his spiritual domain,
Of beings, celestial and mundane.

95. Blessed be his mission of Islam,
Replacing violence by peace and calm.

96. Blessed be nights of relaxation,
And nights of prayer and meditation.

97. Blessed be the drops of rain gracious.
And rays of the morning auspicious.

98. Blessed be his love for the repentent,
And his firmness with the insolent.

99. Blessed be his prophetic grandeur,
Before whom bowed every Emperor.

100. Blessed be he who stood in God's Light,
While Moses fainted just at first sight.

101. Blessed be the face bright as moon.
Which dispelled the darkness so soon

102. Blessed be the Victors' Holy cry,
Echoing on earth and in the Sky.

103. Blessed be those brave liberators,
Who defeated the cruel dictators.

104. Blessed be Prophet Mustafa's bravery,
Jingling swords bore whose testimony.

67. Blessed be the strength of nation,
An emblem of learings consummation.
68. Blessed be that hand's generosity,
Which ushered in an era of prosperity.
69. Blessed be the strength of that arm,
Which bore all the burdens, without alarm.
70. Blessed be his hands and their vigour,
Two pillars of our religion and culture.
71. Blessed be his palm, clear and bold,
Whose lines "courage" foretold.
72. Blessed be his fingers, long and bright,
Which looked like fountains of light.
73. Blessed be his crescent-like nail,
Which brought health in its trail.
74. Blessed be his denunciation of rage,
And commendation of love and courage.
75. Blessed be his heart's sensitivity,
Which understood the mystery of unity.
76. Blessed be that millionaire's appetit,
Who ate, what a poor man might.
77. Blessed be that magnanimous mind,
Which sought God's mercy for mankind.
78. Blessed be his knees exhalted,
Whose greatness Prophet's acknowledged.
79. Blessed be the steps in right direction,
Which led humanity nearest to perfection.
80. Blessed be those feet and the way,
The Quran swore by whose pathway.
81. Blessed be the moment of Prophet's birth,
When unsurpassed glory spread over the earth.
82. Blessed be the prayer for man's salvation,
Uttered by him in first prostration.
83. Blessed be that fortunate breast,
Which fed him at God's behest.
84. Blessed be his regard for others,
Used one, left other breast for brothers.
85. Blessed be the glory of Prophethood,
Finest flower in the garden of manhood.

48. Blessed be his suitable height,
To look at him was a real delight.

49. Blessed be that beaming complexion,
Which gave the onlookers a satisfaction.

50. Blessed be his beautiful skin,
Which said that men are same within.

51. Blessed be that fragrant sweat,
On workers which had a great impact.

52. Blessed be the hair on his chin,
Holy, clean, soft and thin.

53. Blessed be his beard's boon,
Glowing like the halo of the moon.

54. Blessed be his lips, in talk or repose,
Which resembled petals of a rose.

55. Blessed be the mouth, devoted to teach,
What God desired him to preach.

56. Blessed be the freshness of his palate,
Which in desert flowers did create.

57. Blessed be his saliva's power,
Which changed hard to soft water.

58. Blessed be his tongue, gifted and true,
Speaking words, which God wanted him to.

59. Blessed be his persuasive speech,
Evil to quell, and virtue to teach.

60. Blessed be his rare gift of eloquence,
Which won the hearts of his audience.

61. Blessed be that moment of God's beneficence,
Which guaranted his prayer's acceptance.

62. Blessed be that luminous galaxy,
Which threw God's men into ecstasy.

63. Blessed be his smile's influence,
To relax people, if they were tense.

64. Blessed be that throat's rare quality,
Fresh as milk, and sweet as honey.

65. Blessed be his shoulders, dignified,
In whom dignity itself took pride.

66. Blessed be the Prophet's seal that shone,
An in Kaaba shines the black stone.

29. Blessed be the focal point of revelation,
Initiating the process of God's manifestation.

30. Blessed be that gardener's noble strife,
Who gave withering flower's a new life.

31. Blessed be that symbol of beneficence,
Without a shadow or equal in any sense.

32. Blessed be that, embodiment of grace,
Birds of heaven sing whose praise.

33. Blessed be that broad forehead,
Truth on which was always read.

34. Blessed be that king of Kings,
Whose name instant success brings.

35. Blessed be those tresses black,
Vision's feast and mercy's track.

36. Blessed be that stately parting,
Day coming in and night departing.

37. Blessed be his act of combing,
Which left lovers's hearts throbbing.

38. Blessed be those ears that hear,
Every sound from far and near.

39. Blessed be the dynasty Hashimite,
Dazzling wave in a flood of light.

40. Blessed be his head and the hair,
Which the crown of success wear.

41. Blessed be those eyebrows,
For which the niche of Kaaba bows.

42. Blessed be the shade benign,
Of eyelashes black and fine.

43. Blessed be his eyes, those gems,
From which mercy's fountain stems.

44. Blessed be that rose of nature,
Glorious symbol of Creator.

45. Blessed be the look affectionate,
Caring, kind and compassionate.

46. Blessed be his awe and dignity,
Best in piety and humility.

47. Blessed be the cheeks so bright,
That they bedimmed the moonlight.

11. Blessed be the sovereign, wise and high,
whose rule extends from earth to sky.

12. Blessed be the giver of blessings diverse,
On whose account God created the universe.

13. Blessed be the best of all Prophets,
The most kind and last of the Prophets.

14. Blessed be he who merged in God's light,
And established the rule of right over might

15. Blessed be the Prophet, most distinguished,
Matchless, exquisite and unparalleled.

16. Blessed be the star that brightly shone,
And in size had gradually grown.

17. Blessed be the jewel of Nature's plenty,
Whose knowledge extended from here to externity.

18. Blessed be the strength of the helpless,
Committed to the uplift of the penniless.

19. Blessed be our Prophet's perfection,
Which bore divine unity's reflection.

20. Blessed be the balm in hardship and dismay,
Whose aim in life is justice and fairplay.

21. Blessed be my strength in misery,
My hope and wealth in poverty.

22. Blessed be the clue to mystic signs,
That throws light on God's design.

23. Blessed be the totality of most and least,
That changes a pantheist into a monotheist.

24. Blessed be the success after patience,
How nice ! if shortage is followed by abundance.

25. Blessed be our Prophet's supplications,
Which met God Almighty's approbations.

26. Blessed be our valued patron in poverty,
Who leads us out of adversity.

27. Blessed be his caring concern for the vicious,
And a satisfying affection for the righteous.

28. Blessed be the prime cause of creation,
The final medium of human salvation.

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

Blessed be Mustafa, mercy for mankind
God's Light true way to find.

Ala-Hazrat Shah Ahmed Riza Khan's

SALAM سلام
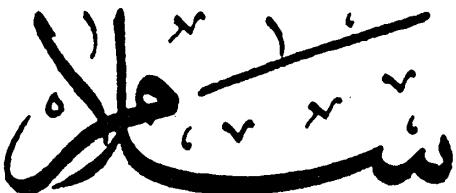
by

G.D. Qureshi

1. Blessed be Mustafa, mercy for mankind,
   God's light, the right way to find.

2. Blessed be the highest of the high,
   The brightest star of prophecy's sky.

3. Blessed be the sovereign of Kaaba and paradise,
   Who is compassionate, merciful and wise.

4. Blessed be the hero on the night of his ascension,
   The apple of the people's eye in heaven.

5. Blessed be the splendour of the next world,
   Dignity, justice and grandeur of this world.

6. Blessed be his noble mind,
   The most sublime of its kind.

7. Blessed be the source of knowledge divine,
   Outstanding and the last in the Prophet's line.

8. Blessed be the point of Life's hidden unity,
   And also the centre of its visible diversity.

9. Blessed be Nature's privileged one,
   Who divided the moon and called back the sun.

10. Blessed be the blanket, rich in mystic quality.
    Under which the food increased in quantity.

The name of Professor Dr.Muhammad Masood Ahmed need, no introduction. He has so far written a large number of books in different languages on Imam Ahmed Raza. His mission in life is to present the life and work of Imam Ahmed Raza before the International Community. His article "Neglected Genuis of the East" unveils the curtains from the multidimentional personality of Imam Ahmed Raza.

Mr. Wajahat Rasool Qadri, in his article "The Role of Imam Ahmed Raza in Up-Holding the sanctity of Holy Prophet (Sallallaho-Alai-He-Wassallum) has presented the most important aspect of the life of Imam Ahmed Raza. He has also traced the history of the developments of the various schools of thought in its historical background which, it is hoped, will prove to be an eye opener for the Muslim Ummah.

On our part we have made all possible efforts to make this issue as comprehensive as it could have been possible for us. However, suggestions for its improvements in subsequent issues from our readers would be most welcome.

EDITOR

FOREWORD

We bow our heads before Almighty Allah Who bestowed upon us the honour to present to you this first English section of "Moarif-e-Raza" in its sixth year of publication. What necessitated inclusion of articles in english language was the fact that now "Moarif-e-Raza" is also the centre of attraction in a number of Western and African countires because of the informative and thought provoking articles with which its every issue is decorated.

The selection of articles for english section was an enormous task since a lot has been written in this language as well on the multidimensional personality of Ala Hazrat Imam Ahmed Raza and the work left by him. However, we have tried our level best to choose such articles which encompass, to certain extent, the important aspects of his life and works.

"SAYINGS OF IMAM AHMED RAZA" (AL-MALFOOZ) penned down by his illustrious son HUZOOR MUFTI-E-AZAM HIND MUSTAFA RAZA KHAN (R.A.) and translated into english by Mr.G.D. Qureshi, (England) reflects the vision and wisdom of Imam Ahmed Raza. The english version of his internationally famous Salam "MUSTAFA JAN-E-REHMAT PE LAKHON SALAM" is also included in this first english issue.

"BARELVIS & KHILAFAT MOVEMENT" by Professor Jamal Uddin, New Delhi, India, is a historic document which depicts the role played by Imam Ahmed Raza in the struggle for creation of Pakistan.

MOARIF-E-RAZA
Volume VI (1986)

CONTENTS

S.No.	Title	Author	Page
1.	Foreword	Idara	3
2.	Salam	Imam Ahmed Raza translated into English by G.D.Qureshi, England.	5
3.	Neglected Genius of the East	Prof. Dr.Mohd Masood Ahmed	15
4.	Sayings of Imam Ahmed Raza (Al-Malfooz)	Mufti-e-Azam Hind Mustafa Raza Khan R.A. English Translation by G.D. Qureshi, England.	20
5.	Barelvis & Khilafat Movement	Prof. Syed Jamaluddin, New Delhi.	22
6.	Role of Imam Ahmed Raza in upholding the Sanctity of Holy Prophet	Wajahat Rasool Qadri	25

@@@@@@@

MOARIF-E-RAZA

VOL - 6 1986

COMPILED BY

S. RIASAT ALI QUADRI

Prof : MAJEED ULLAH QUADRI

IDARA - E - TAHQIQAT - E - IMAM AHMED RAZA (REGD)
4 - BAHADUR YAR JANG ROAD KARACHI-5

MOARIF-E-RAZA

VOL - 6 1986

COMPILED BY

S. RIASAT ALI QUADRI

Prof : MAJEED ULLAH QUADRI

IDARA - E - TAHQIQAT - E - IMAM AHMED RAZA (REGD).
4 - BAHADUR YAR JANG ROAD KARACHI - 5